ISSN : 2411-0949
ششماہی
شاہد
انٹرنیشنل
سیرتِ طیبہ پر تحقیقی مجلّہ
جلد نمبر:1 شمارہ نمبر:2
شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن، پاکستان

ششماہی شاہد انٹرنیشنل

سیرت النبی ﷺ پر تحقیقی مجلہ

شمارہ نمبر ۳، جنوری تا جون 2016ء، جلد نمبر ۲

شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن

زر تعاون فی شمارہ = /300روپے

پتہ: C -327/3، بلاک نمبر ا، گلستانِ جوہر، کراچی۔

موبائل نمبر: 0322-2413267، ای میل: shahidrf322@gmail.com

قومی مجلس مشاورت

☆ **پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں شمس عباس**

ڈین عربی وعلومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

☆ **پروفیسر ڈاکٹر محمد سہیل شفیق**

شعبہ تاریخ اسلام جامعہ کراچی

☆ **پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی**

ہائی ٹیک یونیورسٹی اسلام آباد

☆ **ڈاکٹر فیاض احمد شاہین**

ریسرچ اسکالر ہمدرد یونیورسٹی کراچی

☆ **پروفیسر ڈاکٹر حسن امام**

شعبہ اسلامیات ،وفاقی اردو یونیوسٹی کراچی

☆ **ڈاکٹر اقبال شاہد**

ڈین، جی سی یونیورسٹی لاہور

☆ **پروفیسر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بدایونی**

سپریئر کالج شاہ فیصل کالونی کراچی

☆ **پروفیسر ڈاکٹر تنظیم الفردوس**

شعبہ اردو جامعہ کراچی

☆ **پروفیسر ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی**

شعبہ عربی منہاج یونیورسٹی لاہور

☆ **پروفیسر ڈاکٹر غلام علی**

شعبہ انگریزی، یونیورسٹی آف گجرات

☆ **پروفیسر ڈاکٹر سلیم مظہر**

اورنٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور

☆ **پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران**

گورنمنٹ ڈگری کالج گلشن اقبال کراچی

☆ **ڈاکٹر محمد مہربان باروی شامی**

کراچی یونیوسٹی، کرچی

☆ **ڈاکٹر فضیلت بانو**

اوکاڑہ

بین الاقوامی مجلس مشاورت:

☆ **ڈاکٹر احمد** (مدینہ منورہ)

☆ **ڈاکٹر خلیل طوقار** (ترکی)

☆ **ڈاکٹر حق نبی** (مصر)

☆ **پروفیسر ڈاکٹر کوثر مصطفٰی** (بنگلہ دیش)

☆ **پروفیسر ڈاکٹر غلام زرقانی** (امریکا)

☆ **ڈاکٹر نرگس جابری نسب** (ایران)

☆ **ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی** (ایران)

☆ **ڈاکٹر شیخ سیلم الوان الحسینی** (آسٹریلیا)

☆ **پروفیسر ڈاکٹر علیم اشرف جائسی** (انڈیا)

☆ **محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی** (امریکا)

حسنِ ترتیب

محورِ خیال:

نصاب سیرت اور عصری تقاضے

پروفیسر دلاور خاں

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ شاہد ریسرچ جنرل علمی و تحقیقی میدان میں ارتقائی منزل کو بڑی سرعت انگیزی سے طے کر رہا ہے۔اس کے قارئین میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے اسی طرح سیرت طیبہ پر لکھنے والے کو ایک منظم پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے جب کی وجہ سے ملکی و بین الاقوامی سیرت نگاروں کا ایک دوسرے سے رابطہ ہو رہا ہے ۔ جس کے نتیجے میں سیرت کے نت نئے موضاعات سامنے آرہے ہیں۔ عصری، علمی، فکری اور سماجی مسائل کو سیرت طیبہ کی روشنی میں حل کرنے میں مدد مل رہی ہے۔

ان تمام حضرات کے تعاون سے ہی اس شمارے کا اجرا ممکن ہوا۔راقم تمام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ نئے لکھنے والوں کے مقالات بھی موصول ہو رہے ہیں ان سے گذارش ہے کہ مقالہ لکھنے سے پہلے دو چار تحقیقی مقالوں کے اسلوب اور طریقہ کار کا مطالعہ کریں اور اس تناظر میں اپنے مقالے کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں تاکہ ایک مضمون اور تحقیقی مقالے کے خدوخال میں واضح فرق محسوس ہو اور ان کا مقالہ تحقیقی میدان میں اپنا مقام بنا سکے۔

شاہد ریسرچ جرنل کے مقاصد کے حصول کے بعد شاہد ریسرچ فاونڈیشن کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ ’’فاونڈیشن‘‘ کے دوسرے مقصد ’’سیرت طیبہ پر نصاب سازی‘‘ کے حصول کے لیے کوشش کی جائے اس مقصد کے حصول کے لیے ایک جامع اور قابل عمل منصوبہ بنایا جائے۔اس سلسلے میں ماہرین نصاب اور سیرت نگاروں پر مشتمل ایک بورڈ قائم کیا جائے۔ ابتداء میں ’’فاصلاتی نظام تعلیم‘‘ کے تحت عصرِ تقاضوں کو مد نظر رکھ کر سیرت طیبہ پر تعلیم وتربیت کے کورس کا اجرا کیا جائے جس کا دورانیہ ایک سال پر مشتمل جس میں ہر ماہ ایک موضوع پر سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے اور کورس کو معاشرے کے ہر فرد اور طبقے کے حسب حال ان کی زمے داریوں اور حقوق کے تناظر میں تشکیل دیا جائے تاکہ وہ

سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے حقوق زمے داریوں کو ادا کرنے کے قابل ہوں۔ جب کی تکمیل پر انہیں ایک خوبصوت سرٹیفکیٹ بھی دیا جائے یہ مقصد جتنا اہم اور مقدس ہے اتنا ہی محنت اور منصوبہ سازی کا متقاضی بھی ہے کہ ایک طالب علم، استاد، شوہر، بیوی، تاجر، سیاستداں، منتظم، سرکاری منصب دار جج، وکیل، سپہ سالار، سربراہ مملکت، فوجی، صحافی و دیگر کے لیے علیحدہ علیحدہ ایک مربوط اور مؤثر نصاب سیرت کی تدوین کی جائے۔ دوسرے مرحلے میں اس نصاب سیرت کو کتابچے کی صورت میں ڈھالنے کی منظم حکمتِ عملی تیار کی جائے۔

محترم قائین!

اس تناظر میں نصاب سیرت کی وسعت و اہمیت کا اندازہ آپ لگاسکتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہ ممکن ہے کہ اس نصاب کی تکمیل چند افراد سے ہوسکتی ہے بلکہ اس اجتماعی زمہ داری کو پورا کرنے کے لیے اجتماعی کاوش و تحریک کی ضرورت ہے اس لیے معاشرے کے ہر طبقے کے اہل علم و دانش سے گذارش ہے کے نصاب سیرت اور عصر تقاضوں کے حصول کے لیے ہماری رہنمائی و معاونت فرمائیں۔ اپنی دلچسبی اور مہارت کی روشنی میں پہلے معاشرے کے کسی طبقے کا انتخاب کریں اس نصاب کے (۱) مقاصد سیرت (۲) سیرت پر مشتمل جواد کا انتخاب (۳) عملی سرگرمیوں اور (۴) جائزے کی نشاندوہی کی جائے Paper work مکمل کرنے کے بعد ہمیں ارسال فرمائیں سیرت کے اعتقاری اور عملی پہلو کے فروغ میں ہمارے معاون بنیں تاکہ سیرت طیبہ کی روشنی میں معاشرے کی جدید تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکے۔

شانِ رحمت، سیرت طیبہ کی ایک زندہ اور عملی حقیقت

ڈاکٹر محمد نعیم انور

شعبہ عربی و اسلامیات، جی سی یونیورسٹی لاہور

Abstrat:

For critics the magnanimity of the blessing of the Holy Prophet has a very high and distinctive position. The Holy Quran has expressed this aspect of his life in the following, words:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ

Thou (the Holy Prophet) has been sent (in the world) as a blessing for all ages.

Thus, the Holy Quran has highlighted his glory, full of blessings, by its explicit statement. One can get at the real understanding of this aspect of the life of the Holy Prophet only by getting at the real meaning of:

رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ

The very aspect has been explained in the following topic i.e., He (the Holy Prophet) is full of blessings for each and every object and being of every age.

Besides, it is also an overt fact that there no contemporary class, region or nation of modern and cultural world can deny of being benefitted directly or indirectly by his glorious blessings. In this perspective, the importance of this topic grows manifold and its detail is given in the content of this topic.

اللہ رب العزت نے اپنے رسول مکرم کو بے پناہ اور بے حساب شانوں سے نوازا ہے۔ ان کا تذکرہ قرآن حکیم میں کسی نہ کسی صورت میں ضرور کیا ہے۔ آپ کی عطا کردہ شانوں میں سے ایک شانِ عظیم آپ کو ساری کائنات کے لیے خواہ وہ انس ہو یا جن، چرند ہوں یا پرند، ہر مخلوق کے لیے باری تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ رسول اللہ کی شانِ رحمت:

باری تعالیٰ نے آپ کی اس شان کا ذکر قرآن حکیم میں یوں کیا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۱)

''اور اے رسول محتشم ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔''

فرمایا اے رسول مکرم ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کے تمام خصائل و شمائل خود ایک رحمت ہیں۔ آپ کی ساری صفات ایک رحمت عامہ ہیں۔ آپ کی شانِ رحمت سے ہی فیض پانے والے، اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نجات یافتہ ہے اور دونوں جہانوں میں بامراد ہے۔ الشفاء میں قاضی عیاضؒ فقیہ ابو اللیث سمرقندی سے رحمۃ للعالمین کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے لیے رحمت للعالمین ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کی شان رحمت انسانوں کے لیے بھی ہے اور جنات کے لیے بھی ہے۔(۲)

عالم انسانیت اور رسول اللہ کی شانِ رحمت:

اب سوال یہ ہے کہ جب آپ کی رحمت سارے جہانوں کے لیے ہے اور سارے عالمین کے لیے ہیں اُن عالمین میں سے ایک عالم انس ہے کیا عالم انس میں کائنات انسانی کے خاص افراد کے لیے آپ باعثِ رحمت ہیں اور کیا آپ صرف اہلِ ایمان کے لیے ہی باعثِ رحمت ہیں۔ کیا عالم انس میں بسنے والے غیر مسلموں کے لیے بھی آپ باعث رحمت ہیں اور کیا کافروں کے لیے بھی آپ سبب رحمت ہیں اور کیا وہ بھی آپ کی رحمت سے مستفید ہو رہے ہیں۔ تو اس حوالے سے باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ (۳)

''اور در حقیقت اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآں حالانکہ اے حبیب مکرم آپ بھی ان میں (موجود) ہوں۔''

اس لیے مفسرین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا مومنین کے لیے رحمت ہونا یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے اور آپ کے ذریعے انہیں ہدایت ملی ہے اور منافقین کے لیے آپ کا رحمت ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ، باوجود خبث باطن کے مگر بظاہر کلمہ گو ہونے کی وجہ سے قتل سے محفوظ رہے اور کافروں کے لیے باعث رحمت ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے ان کے کھلے کفر اور واضح نافرمانی اور تکذیب نبوت و رسالت، کے باوجود اُن کے عذاب میں رسول اللہ کی شانِ رحمت کے باعث تاخیر

کر دی ہے اور اس عذاب کو رسول اللہ کی شانِ رحمت کے سبب مؤخر کر دیا ہے کہ شاید اُن میں سے کسی کو ایمان کی توفیق میسر آ جائے۔

اب اسی لیے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مومنوں اور کافروں دونوں کے لیے باعث رحمت ہیں۔ کیونکہ پچھلی اُمتوں نے جب انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو اللہ کا عذاب اُن پر نازل ہوا مگر اس امت پر رسول اللہ کی رحمت کے باعث عذاب نازل نہ ہوا۔ (۴)

رسول اللہ ﷺ کی دعا اور اس کی شانِ اجابت:

اگر حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ مبارک طائف کی وادی والوں کے ظلم و ستم اور آپ کو لہولہان کرنے اور بے پناہ اذیت دینے اور دعوتِ حق سے کفر و انکار پر اُٹھ جاتے اور اسی طرح مکہ کے کفار و مشرکین کی طرف سے دی جانے والی اذیتوں، تکلیفوں اور آپ کی صداقت و حقانیت کے معجزات کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے اور پھر بھی مسلسل کفر و شرک کرنے پر بلند ہو جاتے تو اس صفحہ ہستی پر کوئی کافر و مشرک کوئی ظالم و مستبد اور کوئی نافرمان و گنہگار اور کوئی منافق و یہودی نہ بچتا۔ صحابہ کرام کو بھی معلوم تھا اس لیے جب غزوہ اُحد میں آپ کے دندان مبارک کفار و مشرکین کے حملے کی وجہ سے شہید ہو گئے اور چہرہ اقدس لہولہان ہوا تو صحابہ کرام کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور عرض کیا یا رسول اللہ ان کے لیے بددعائیں کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"انی لم اُبعث لعاناً، ولکنی داعیا و رحمةً اللھم اِہْدِ قومی فانھم لایعلمون"(۵)

"فرمایا میں ان پر لعنت کرنے یا بھیجنے کے لیے مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ میں ان کو اللہ کی طرف بلانے اور ان کے لیے سراسر رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں بجائے بدعا کے۔ آپ نے ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اے میرے مولا! میری قوم کو ہدایت عطا فرما بے شک وہ مجھے نہیں سمجھتی۔"

صفاتِ رسول ﷺ میں شانِ رحمت کا غلبہ:

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کو باری تعالیٰ نے ساری حیات طیبہ میں کافر و مشرکوں کے لیے بالعموم اور اہل اسلام اور مومنوں کے لیے بالخصوص بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کی شانِ رحمت کو آپ کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچانے کے لیے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈر

سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ کی شانِ مبشریت اور شانِ نذیریت کی رحمت یہ ساری انسانیت کے لیے ہے اس لیے ارشاد فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔(۴)

"اے حبیب مکرم ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ آپ پوری انسانیت کے لیے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں۔"

ایسا کیوں نہ ہوتا اس لیے آپ کی رحمت سارے جہانوں کے لیے ہے اور اس رحمت کو اُن لوگوں تک پہنچانے کے لیے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اگر یہ آپ کی شانِ رحمت کا تقاضا ہے کہ آپ ہر کسی کے لیے بشیر و نذیر ہوں تو دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت ساری انسانیت کے لیے بھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بین الاقوامی رسالت:

اس لیے سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا(۷)

"اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔"

پھر اس بات کی تصریح خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان اقدس سے یوں کی آپ نے ارشاد فرمایا:

بعثت الی الاحمر و الاسود۔(۸)

"مجھے سرخ و سیاہ، یعنی عرب و عجم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ اللہ کی رحمت کا پیکر بن کر، کبھی آپ اپنی شان مبشریت کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی نعمتوں اور اس کی جنت کی طرف بلاتے رہے اور کبھی اپنی شان نذیریت کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہے اور اس کی نافرمانی سے باز رہنے کی تاکید کرتے رہے اور کبھی جہنم کے عذاب سے بچنے کی تلقین کرتے رہے۔

آپ ﷺ کا یہ عمل حسب حال سب انسانوں کے لیے تھا اس لیے آپ ان سب انسانوں کی طرف سراپا رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کی شانِ مبشریت سے ایک مومن بھی ہدایت پا رہا ہے اور ایک کافر و مشرک بھی روشنی پا رہا تھا اور پا رہا ہے اور آپ کی شانِ نذیریت سے ایک مومن بھی اللہ کی ذات

پر اپنے ایمان کو مستحکم کر رہا ہے اور ایک کافر و مشرک بھی اپنے انجام سے ڈر کر ہدایت و اسلام کی طرف راغب ہو رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ مومنین کے لیے بطور خاص رحمت ہیں:

اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مومنوں کے حق میں کس طرح باعث رحمت ہیں۔ باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا آپ کے مومنوں کے حق میں سراپا رحمت ہونے کی پہلی صورت یہ ہے کہ آپ سب اہل ایمان کے لیے سراپا خیر ہیں، سراپا عافیت ہیں، سراپا دُعا ہیں، سراپا سلامتی ہیں، سراپا لطف و کرم ہیں، سراپا عطا ہی عطا ہیں، سراپا شفقت و عنایت ہیں، سراپا رافت ہیں، سراپا ہدایت ہیں، سراپا جود و سخا ہیں، سراپا بخشش و مغفرت ہیں، سراپا خلق حسن ہیں، سراپا محبت و مودت ہیں، حتی کہ سراپا رحمت ہی رحمت ہیں اس لیے یہ ارشاد فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔(۹)

”(اے حبیب والا صفات) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے جھٹ کر بھاگ جاتے۔“

اے رسول مکرم ﷺ آپ کے سراپا رحمت ہونے کی پہلی نشانی یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے آپ کو آپ کی شان رحمت کے باعث ان مومنین کے لیے نرم دل بنایا ہے، نرم خو بنایا ہے، خوش خلق بنایا ہے، ان سے پیار و محبت اور شفقت کرنے والا بنایا ہے، آپ کو ان کا غمگسار بنایا ہے اور آپ کو ان کا چاہنے والا بنایا ہے اس لیے یہ ہر وقت آپ کی چوکھٹ پر رہتے ہیں۔ آپ کے درِ اقدس پر آتے جاتے ہیں اور آپ کی صحبت و سنگت کے لیے ان کے دل کھنچتے ہیں اور راغب ہوتے ہیں۔ یہ آپ سے ملنے کے لیے اور آپ کی دید و زیارت کے لیے ہر لمحہ تیار رہتے ہیں۔ ان کی نظریں اور ان کی سوچیں آپ کی چوکھٹ پر لگی رہتی ہیں۔ انہیں جوں ہی مشاغل حیات سے فرصت ملتی ہیں تو آپ کے در اقدس کا طواف کرتے ہیں۔ آپ کی ہم نشینی کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ آپ سے ہدایت کا نور چاہتے ہیں۔ آپ سے اللہ کا کلام بصورت قرآن سنتے ہیں۔

”مِنْ حَوْلِكَ“ آپ کے ارد گرد رہنا ان کی زندگی ہے اور آپ کی صحبت میں شب و روز گزارنا ان کی شناخت ہے اور یہ سارا کچھ اس لیے ہے کہ آپ ان کے لیے ”لِنتَ لَهُمْ“ کی شان رکھتے ہیں۔ اور یہ شان ہم نے ”فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ“ کی صورت میں آپ کو عطا کی ہے۔

آپ ﷺ کے خلق میں ترشی نہیں:

اگر آپ کی ذات اقدس پر ہماری رحمت کا غلبہ نہ ہوتا اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے باعث رحمت نہ بنایا ہوتا، آپ معاذ اللہ ترش خو ہوتے۔ آپ اپنے خلق میں تند خو ہوتے، آپ کی طبیعت میں سختی کا غلبہ اور پہرہ ہوتا، آپ کی زبان میں سختی ہوتی اور آپ کے مزاج میں گرمی ہوتی اور آپ کے خلق میں ترشی ہوتی، تو یہ غلاموں، دیوانوں، جانثاروں، عقیدت مندوں، جانبازوں اور مجاہدوں کا ہجوم نہ ہوتا، ان کی بھیڑ نہ ہوتی، ان کا رش دکھائی نہ دیتا۔ ان کا اکثر آپ کے اردگرد موجود ہونا پھر نظر نہ آتا۔ لیکن ہم نے آپ کو ایسا بنایا ہی نہیں بلکہ سراپا رحمت ہی رحمت بنایا ہے۔

آپ کی رحمت اپنوں کے لیے ہے اور غیروں کے لیے بھی ہے۔ اپنوں کے لیے مزید برآں آپ کی رحمت کیسے ہے تو اس حوالے سے ارشاد فرمایا۔ یہ آپ کی ان کے لیے رحمت ہی تو ہے کہ ہم نے آپ کو مومنین کے حق "عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" اور "حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ" اور "رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" بنایا ہے۔

سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱۰)

"بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک باعظمت رسول ﷺ تشریف لائے ہیں تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں گزرتا ہے۔ اے لوگو وہ تمہارے لیے بھلائی و ہدایت کے بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں اور مومنوں کے لیے نہایت شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔"

اس رسول معظم کی شان رحمت کی دوسری صورت یہ ہے کہ تکلیف میں تم مبتلا ہوتے ہو مگر وہ رسول پر گراں گزرتی ہے۔ تم کسی اذیت میں گرفتار ہوتے ہو وہ رسول اللہ ﷺ پر ناگوار گزرتی ہے۔ تم کسی پریشانی سے دوچار ہوتے ہو تو وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بوجھ بنتی ہے۔ تکلیف تمہاری ہے، درد تمہارا ہے، اذیت تمہاری ہے، دُکھ تمہارا ہے، غم تمہارا ہے، بے چینی تمہاری ہے، پریشانی تمہاری ہے، تم پر تو جو گذر رہی ہے سو گذر رہی ہے مگر تمہارے رسول ﷺ پر تم سے بھی زیادہ گراں گذر رہی ہے۔

اس لیے وہ رسول ''مِنۡ أَنفُسِكُمۡ '' کی شان والا ہے۔ وہ تم ہی سے ہے اور تم اپنی نسبت ہدایت کے بعد اس سے ہو۔ تم اس کی غلامی کو اختیار کرنے کے بعد اس سے ہو، تم اُس کے اُمتی ہونے کے بعد اس سے ہو، تم اس کی شناخت اور اُمت بننے کے بعد اس سے ہو، اس لیے وہ رسول مکرم بھی اپنی زبان اقدس سے ''من غش فلیس منا''(۱۱) الفاظ ارشاد فرماتے ہیں۔ جس نے ملاوٹ کی اور دھوکا کیا وہ ہم سے نہیں اور یہ تمہاری تکلیف و اذیت اُس رسول مکرم پر گراں اس لیے گزرتی ہے اس کی وجہ بھی باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کر دی ہے۔ ''حَرِيصٌ عَلَيۡكُم'' اے لوگوں وہ تمہارے لیے بھلائی و ہدایت کے بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ حریص، مشفق ومہربان ہیں:

اب ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے وہ رسول مکرم اپنی شانِ رحمت کے حوالے سے کیسے اور کس طرح ''حَرِيصٌ عَلَيۡكُم'' کی شان والا ہے۔ فرمایا وہ تمہاری بھلائی کے حریص ہیں۔ وہ تمہارے لیے اللہ کی ہدایت کے حریص ہیں۔ وہ تمہاری خیر کے حریص ہیں۔ وہ تمہاری فوز و فلاح کے لیے حریص ہیں۔ وہ تمہاری نجات کے لیے حریص ہیں۔ وہ تمہاری کامیابی کے لیے حریص ہیں۔ وہ رسول مکرم اپنی شانِ رحمت کے باعث تمہارے لیے ہر ہر خیر کے لیے حریص ہیں۔

اور اسی رسول رحمت کی یہ شان رحمت ہے کہ وہ نبی مکرم تمہارے لیے نہایت شفیق ہیں۔ وہ اپنی امت کے ہر ہر فرد کو جو اُن کا سچا اُمتی اور پیروکار ہے اس کے لیے یہ رسولِ معظم مشفق ہیں۔ انتہائی شفیق ہیں، شفقت بھرے لہجے میں تکلم کرتے ہیں اور شفقت سے مملو انداز میں پیش آتے ہیں۔ شفقت وعاطفت اُن کے قول سے بھی ظاہر ہوتی ہے اور اُن کے عمل سے بھی عیاں ہوتی ہے۔ اُن کی زبان بھی شفقت سے آشنا ہے اور اُن کا عمل بھی شفقت سے آراستہ ہے۔ اُن کی نظر میں بھی شفقت ہے اور اُن کے برتاؤ میں بھی شفقت ہے۔ اس لیے کہ یہ رسول مکرم صفتِ ''رؤف'' کی شان کے ساتھ سب انسانوں کے لیے اور بطور خاص مومنوں کے لیے سراپا شفقت ورافت ہیں۔ اس لیے کہ اللہ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔

اور آپ کی شان رحمت، اہل ایمان کے لیے اس اعتبار سے بھی ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو صرف اور صرف رؤف ہی نہیں بنایا بلکہ اہل ایمان کے لیے رحیم بھی بنایا ہے۔ رحیم رحمت سے ہے گویا رسول اللہ کی ذات اقدس سارے جہاں والوں کے لیے رحمۃ للعالمین تو ہے ہی مگر بطور خاص

مومنوں کے لیے اس کے ساتھ ساتھ رحیم بھی ہے۔ اب رحمت و رحیم دونوں میں رحم کا مادہ ہے۔ اس آیہ کریمہ کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ اہل ایمان کو رسول اللہ ﷺ کی رحمت دو صورتوں میں ملتی ہے۔ ایک آپ ﷺ کے "رحمۃ للعالمین" ہونے کی شان کے ذریعے اور دوسری آپ ﷺ کی رحیم ہونے کی شان کے ذریعے میسر آتی ہے۔

اس طرح سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا! یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اُس نے آپ کو سب انسانوں کے لیے اور بطور خاص سب مومنوں کے لیے نرم خو اور خوش خلق بنایا ہے اور اگر آپ سخت دل اور سخت گیر ہوتے تو پھر آپ کے ارد گرد یہ دیوانے اور پروانے دکھائی نہ دیتے۔(۱۲)

وہ رب جس کی رحمت نے آپ کو ایسا بنایا ہے کہ آپ ان کے لیے مشفق و مہربان نرم خو اور نرم مزاج ہیں اُسی رحمت کا اے حبیب مکرم تقاضا یہ ہے کہ اگر ان میں کسی سے کوئی غلطی ہو جائے، کوئی خطا سرزد ہو جائے اور وہ کوئی لغزش کر لیں، کسی معصیت کا ارتکاب کر لیں، کسی گناہ میں ملوث ہو جائیں، کسی فعل سو کو بجالائیں، اللہ کی نافرمانی کر لیں، غلطی اور گناہ کا احساس ہونے پر اللہ کی طرف رجوع کر لیں استغفار و توبہ کے لیے آمادہ ہو جائیں تو آپ انہیں سے درگذر فرمائیں اور "فاعف عنھم" آپ بھی انہیں معاف کر دیں۔ آپ ان کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں معافی کے لیے بھی خواستگار ہوں۔ اللہ کی بارگاہ میں ان کی معافی کے لیے التجا بھی کریں۔ رب سے ان کی معافی کے طلبگار بھی ہوں۔

مشاورت رحمت کا سبب ہے:

باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا آپ اللہ کی رحمت ہونے کے اعتبار سے ایک امر مزید یہ کریں کہ ان کو اپنے ساتھ مشاورت میں شریک کریں۔ مختلف معاملات میں ان کو شریک مشورہ کریں۔ انہیں مشاورت کی تعلیم دیں اور انہیں مشاورت کی اہمیت بتائیں اور انہیں مشاورت کی تربیت دیں۔ انہیں بتائیں کہ مختلف معاملات میں مشاورت کیسے کی جاتی ہے، مشاورت کی برکتیں کیا ہوتی ہیں، مشاورت کے فوائد کیا مرتب ہوتے ہیں۔

اے رسولِ معظم جب آپ باوجود رسول ہوتے ہوئے مشاورت کریں گے تو یہ عمل آپ کی اُمت کے لیے سنت بن جائے گا۔ آپ کا یہ طرز عمل آپ کے اُمتیوں کے لیے ایک طریق نبی ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ بن جائے گا۔ اس لیے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔(۱۳)

امر دینی ہو امر دنیوی ہو، امر بیعت ہو، امر سوق ہو، امر حرب ہو، امر عقد و عقود ہو، امر تجارت ہو، حتیٰ کوئی بھی امر حیات ہو ان کو شریک مشورہ کریں۔ ان کو اپنے ساتھ مشاورت کے عمل کا حصہ بنائیں۔ تاکہ یہ اچھی طرح جان لیں۔ جب رسول اللہ ﷺ منصب رسالت پر فائز ہونے کے باوجود، اور وحی کے نزول کے ذریعے الوہی احکام مل جانے کے باوجود اور منصب رسالت کی شانِ علوت اور مرتبت کے باوجود، جب آپ ﷺ خود صحابہ کرام کے ساتھ مختلف معاملات میں مشورہ کرتے ہیں۔ تو اس اعتبار سے اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ میں کسی بڑے منصب پر فائز ہوں حتیٰ کہ وہ دینی اور دنیوی لحاظ سے سب سے بڑے منصب پر فائز ہی کیوں نہ ہو تو اسے کسی بھی صورت یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ مشاورت کے عمل سے اعراض کر کے خود کو مشاورت کے عمل سے برتر جانے، خود کو اس عمل سے ماوراء سمجھے اور خود کو سب پر خود ہی تفوق اور برتری دے اور یوں مشاورت کا عمل ترک کر دے۔ تو وہ خیر سے محروم ہو جائے گا اس لیے کہ مشاورت کا یہ چشمہ "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ" کے مصدر سے پھوٹا ہے۔ اس لیے مشاورت سراسر رحمت اور سراسر برکت ہے۔ مشاورت کو چھوڑنا رحمت اور برکت کو ترک کرنا ہے۔

باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے رسول مکرم ﷺ جب آپ مشاورت کر لیں اور اُس کے نتیجے میں جو فیصلہ کریں تو اس پر ڈٹ جائیں۔ اس فیصلے کے نتائج کا انحصار اپنی مشاورت پر نہیں بلکہ توکل علی اللہ پر رکھیں۔ اب اللہ کی ذات پر اور اُس کی رحمت پر اور اُس کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اُس فیصلے پر قائم ہو جائیں، اس سے پیچھے نہ ہٹیں، اُس فیصلے کو نافذ کر دیں، اُس فیصلے پر عملدرآمد کر لیں، اُس فیصلے کو دل و جان سے اپنا لیں اور اُس فیصلے پر عملدرآمد کا آغاز کر دیں۔

فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔(۱۴)

"پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں۔"

جب مشاورتی فیصلے پر عزم اور ارادہ کر لیں جب اس فیصلے کو کر لیں تو اب اللہ کی نصرت، اس فیصلے پر قائم رہنے کے ذریعے ڈھونڈیں اُس فیصلے میں کامیابی، اللہ کی رحمت اور اللہ پر توکل کرنے سے میسر آئے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی شانِ رحمت پر فرحت کا اظہار کرنا:

اسی طرح سورہ یونس میں رسول اللہ ﷺ کو رحمت بنائے جانے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ○ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۔(۱۵)

”اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور ان بیماریوں کی شفاء آگئی ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہیں اور ہدایت اور اہلِ ایمان کے لیے رحمت بھی۔ فرمادیجیے ذرا بتاؤ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثت محمدی کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر خوشیاں منائیں یہ اس سارے مال و دولت سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔“

رسول اللہ کی ذات اقدس کو باری تعالیٰ نے رحمت بنایا ہے۔ رحمۃ للمومنین بھی بنایا ہے اور رحمۃ للعالمین بھی بنایا ہے۔ ان مومنوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال کو ایک موعظت اور نصیحت اور سب سے بڑھ کر حدیث و سنت بھی بنایا ہے اور باری تعالیٰ نے فرمایا اس رسول مکرم کو ہم نے اہل ایمان کے لیے سرچشمہ ہدایت بھی بنایا ہے۔ اور انہیں ہادی کی شان بھی عطا کی ہے اور وہ رسول محتشم لوگوں کو اپنے رب کی طرف راغب کرتے ہیں۔ رب کی توحید سے آشنا کرتے ہیں۔ اُن کے دلوں کو رب کے خوف اور تقویٰ کے نور سے منور کرتے ہیں۔ انہیں مومنین کے درجے سے آگے متقین کے درجے کی طرف بڑھاتے ہیں۔ یہ سارا کچھ اس لیے کہ آپ ان مومنین کے حق میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں۔

اللہ نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ کو رحمۃ للمومنین اور رحمۃ للعالمین بھی بنا کر بھیجا ہے اس رسول ﷺ کی ولادت و بعثت تمہارے لیے رب کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کے ملنے پر اور رسول اللہ ﷺ کی صورت میں اللہ کی رحمت کے پانے پر فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا اس پر خوشیاں مناؤ اس پر مسرت کا اظہار کرو اس رحمت للعالمین کی نسبت پانے پر اللہ کی بارگاہ میں سجدہ شکر بجالاؤ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے اس نعمت کی یاد میں تصرف میں لاؤ، جو مال و دولت ہے اسی نعمت پر اظہار تشکر

کے طور پر خرچ کرو، جو صلاحیت و قابلیت ہے اُسے اس نعمت کی تحدیث میں صَرف کرو، اپنے انفاق کو اس نعمت کے تذکروں میں لاؤ، اس نعمت کے ذکر میں لاؤ، اور تم و اما بنعمة ربک فحدث میں ڈھل جاؤ، اس نعمت کے جس قدر چرچے کر سکو وہ کرتے جاؤ۔ ان یادوں کو اپنے پاس فقط جمع نہ کرتے جاؤ بلکہ ان کو اپنے اظہار میں لاؤ، انہیں اپنے ذکر میں لاو۔ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ(۱۶) اس نعمت کے ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھو، اس ذکر رسالت میں اس ذکر رحمة للمومنین میں، اس ذکر رحمة للعالمین میں رطب اللسان رہو، اس سے اپنے دلوں کو اطمینان دو، اپنے دلوں کو تسکین کی نعمت دو۔

رسول اللہ کا اسوہ حسنہ امت کے لیے باعث رحمت ہے:

دلوں کا سکون اللہ کی یاد میں ملتا ہے اور اللہ کے رسول کی یاد میں میسر آتا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ(۱۷)

”جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔“

اللہ کے اور اس کے رسول کے ذکر کو جُدا نہ سمجھو، جس طرح رسول اللہ کی اطاعت اطاعت الٰہی ہے۔

وَمَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ۔(۱۸)

”جن نے رسول ﷺ کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ ہی کا حکم مانا۔“

اسی طرح باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کی معصیت کو اپنی معصیت(۱۹)، رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کو اپنی مخالفت(۲۰)، رسول اللہ ﷺ کی حرمت کو اپنی حرمت(۲۱) قرار دیا ہے اور اسی طرح رسول اللہ پر تقدم کو اپنی ذات پر تقدم سے تعبیر کیا ہے(۲۲) رسول اللہ ﷺ کی رمی کو اپنی رمی کہا ہے(۲۳) رسول اللہ ﷺ کی ایذاء کو اپنی ایذاء قرار دیا ہے(۲۴) اور رسول اللہ کے بلاوے کو اپنے بلاوے سے تعبیر کیا ہے۔(۲۵) وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ o إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ)o۲۶ (رسول کے نطق کو اپنی وحی سے تعبیر کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی رضا کو اپنی رضا قرار دیا ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ(۲۷) رسول اللہ ﷺ کو یہ ساری شانیں عطا کر کے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة(۲۸) لوگو! میں نے تمہارے لیے اس رسول کی حیات کو ایک عمدہ نمونہ بنایا ہے۔ تمہاری حیات میں عمدگی رسول اللہ کی حیات کی پیروی میں ہے۔ تمہاری زندگی کی دلکشی، رعنائی اور حسن و خوبی رسول اللہ کی حیات کی تقلید میں مضمر ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

فَلَوْلاَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ۔(۲۹)

"پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم یقیناً تباہ ہو جاتے۔"

اللہ نے اپنے رسول کو تمہارے لیے اور سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا ہے۔ یہ اُسی رسول خاتم النبیین کی رحمت کا تصدق و توسل ہے کہ اللہ نے تمہیں خسارے سے بچا لیا ہے اور تمہیں تباہی و بربادی سے محفوظ کر لیا ہے۔ اس لیے اس رسول رحمت کے مبعوث ہونے سے قبل كُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (۳۰) تم دوزخ کے کنارے تک پہنچ چکے تھے اور تمہاری تباہی و بربادی اپنی آخری حد کو چھو رہی تھی۔ تم مٹنے والے تھے اور مٹنے کے قریب تھے کہ تمہارے اندر یہ رسول رحمت مبعوث ہوا تم اس رسول کے باعث مٹنے سے، تباہ ہونے سے، خسارے سے، برباد ہونے سے، دوزخ کا ایندھن بننے سے، جہنم میں جلنے سے، رب کی نافرمانی سے، اور رب کی معصیت سے بچ گئے تم خسارہ پانے والوں میں ہونے لگے تھے کہ اچانک رب کی رحمت موجزن ہوئی اور تمہیں ہدایت سے ہمکنار کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی۔ پس اس رسول رحمت نے تمہیں تباہ ہونے سے سنبھالا، تمہیں برباد ہونے سے محفوظ کیا، تمہیں خسارے سے بچایا۔

اطاعت الٰہی کا صلہ رحمتِ مصطفےٰ ﷺ ہے:

اب سوال یہ ہے اللہ کی رحمت اور رسول کی رحمت ہمیں کیسے میسر آئے گی۔ اس کا جواب سورہ آل عمران میں یوں دیا:

وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔(۳۱)

"تم ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی رحمت سے مستفید ہوتے رہو۔"

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے تا کہ تم پر رحمت نازل کی جائے تا کہ تمہیں رحمت سے نوازا جائے گویا اگر ہم اللہ کی رحمت چاہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی شان رحمۃ اللعالمین سے بھی فیض یاب ہونا چاہتے ہیں تو اس کی صورت فقط یہی ہے کہ ہمارے عمل میں اطاعت الٰہی نظر آئے،

ہمارے عمل میں اطاعت رسول دکھائی دے جب ہمارا قول و قرار اور فعل و عمل اطاعت الٰہی اور اطاعت مصطفےٰ ﷺ کا آئینہ دار بن جائے گا تو ہی ہم خود کو اللہ اور اس کے رسول کی رحمت کا مستحق بنا دیں گے اور اطاعت مسلسل پر اگر ہم کاربند رہیں گے تو رحمت مسلسل ہمارے اوپر نازل ہوتی رہے گی۔ اور رسول کی شانِ رحمۃ للعالمین کا فیض ہمیں ملتا رہے گا۔

اب یہ بات ذہن نشین رہے کہ مخلوق کا ہر ہر فرد، اپنے اندر اطاعت الٰہی کا جذبہ رکھتا ہے۔ کوئی بھی خلق اپنے خالق کی اطاعت کے جذبے سے خالی نہیں۔ اس لیے اپنے خالق و مالک رب کی اطاعت، انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ یہی اطاعت انسان کی فطرت ہے گویا اطاعت الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنا اور زندگی گزارنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے انسان اپنی فطرت میں مطیع ہے نافرمان نہیں ہے۔ لیکن اطاعت کے لیے کوئی پیکر محسوس ہونا چاہیے۔ اطاعت کے لیے کوئی ایسا وجود ہونا چاہیے جسے انسان دیکھ سکے، جسے بولتے ہوئے سن سکے، جسے اپنے ساتھ اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے اور انسانوں ہی کی طرح بھرپور زندگی گزارتے ہوئے دیکھ سکے۔ پھر انسان اُس کے قول کو اپنے لیے اطاعت بنائے اور اُس کے فعل کو اپنے لیے پیروی و اتباع بنائے۔ اُس کے سیرت و کردار کو اپنے لیے اُسوہ بنائے، اُس کے خلق کو اپنے لیے نمونہ بنائے اُس کے معاملات کی ادائیگی کو اپنے لیے حسن معاملہ بنائے اُس کے طریق عبادت کو اپنے لیے سُنت بنائے غرضیکہ اُس نمونہ اطاعت ذات کو اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں ایک مشعل راہ بنائے۔ اس لیے باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انسانوں کی اس سب سے بڑی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہر قوم کو یہ خوشخبری کبھی: ''لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ ''(۳۲) اور کبھی ''قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ ''(۳۳) جیسے مختلف الفاظ کے ساتھ سنائی۔

اب سوال یہ ہے کہ انسانوں کے لیے اللہ رب العزت نے یہ منصب رسالت اور یہ منصب نبوت کیوں قائم کیا ہے۔ اس کا جواب اس آیت کریمہ میں دیا جارہا ہے کہ ایک تو انسانوں کی جبلی ضرورت اور فطرتی احتیاج کی تکمیل کی جارہی ہے اور اللہ رب العزت اپنے بندوں سے مخاطب ہے کہ اے میرے بندوں تم میری اطاعت کرنا چاہتے ہو، اور تم اس مقصد کے لیے ایک پیکر محسوس اپنے سامنے چاہتے ہو، تو تمہاری اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے میں نے تمہارے لیے سلسلہ نبوت و رسالت کا اجراء کیا

ہے۔ تم ہی میں سے کسی کو میں اپنی مشیت کے مطابق اس منصب نبوت و رسالت کے لیے منتخب کرلیتا ہوں، وہ تمہاری ہی طرح زندگی گزارتا ہے وہ انسانوں میں سے ہے اور ہم اس کی زندگی کو تمہارے لیے نمونہ اطاعت بناتے ہیں، نمونہ عمل بناتے ہیں، نمونہ قول بناتے ہیں، نمونہ عبادت بناتے ہیں، نمونہ حسن معاملہ بناتے ہیں، نمونہ عبادت بناتے ہیں، نمونہ خیر بناتے ہیں ہم اُس کی حیات کو تمہاری حیات کے لیے اُسوہِ اطاعت بناتے ہیں۔ اب تم اس کے اُسوہ حیات کو اپنی فطرتی خواہش سے بھی اختیار کرو اور اللہ حکم سے بھی اسے اپناؤ۔ اور یہ حکم اور یہ امر تمہیں اس آیت کریمہ کے ذریعے دیا جارہا ہے۔ رسول اللہ کی اطاعت واجب ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّهِ۔(۳۴)

”ہم نے جس بھی رسول و نبی کو بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے تاکہ لوگ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کریں۔“

گویا رسول اُمت کے لیے مطاع مطلق ہوتا ہے، رسول اپنی اُمت کے جملہ افراد کے لیے واجب الاطاعت ہے۔ واجب اطاعت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، احوال، اخلاق، سیرت و کردار کو اختیار کرنا اُمت پر لازم ہے۔ رسول کے قول، عمل اور خلق کو، اللہ رب العزت نے اسوہ قرار دے دیا ہے گویا اب اطاعت کے لیے اُمت کو رسول اللہ ﷺ کے قول فعل، خلق اور کردار سے ہٹ کر، کسی اور قول، فعل، خلق اور کردار کو اپنانے کی ضرورت نہیں۔ اُمت اپنے قول میں، قول رسول ﷺ سے روشنی لے گی تو یہ عمل، اطاعت فی القول ٹھہرے گا۔ اگر اُمت اپنے فعل میں، فعل رسول اللہ ﷺ سے ضیاء پائے گی تو یہ عمل، اطاعت فی الفعل بنے گا اور اگر اُمت اپنے خلق میں، خلق رسول ﷺ سے اکتساب فیض کرے گی تو یہ عمل، اطاعت فی الخلق میں ڈھلے گا۔

انسان کے قول، فعل، خلق اور سیرت و کردار کی بنیاد رسول اللہ کے اسوہ حسنہ میں رکھ دی گئی ہے۔ باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں نبی کے قول، فعل اور خلق کو اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اور اس کو اپنانے کے لیے قرآن حکیم میں یوں حکم دیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔(۳۵)

ہماری ذمہ داری قول، فعل، خلق کو نئے سرے سے وجود میں لانا نہیں بلکہ پہلے سے موجود قول رسول، فعل رسول اور خلق رسول ﷺ میں ڈھلنا ہے۔ باری تعالیٰ اس موجود قول رسول، فعل رسول اور خلق رسول کو اُسوہ حسنہ سے تعبیر کر رہا ہے اور حکم دے رہا ہے کہ اپنی زندگی کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے تابع کر دو اور رسول اللہ کی ذات میں موجود قول، فعل اور خلق کو اپنے لیے اُسوہ حسنہ بناؤ۔ اُس اُسوہ حسنہ میں اور اُس اُسوہ رسول ﷺ میں ڈھل جاؤ اور اس آیت کریمہ کے ذریعے باری تعالیٰ یہ واضح کر رہا ہے کہ تمہاری ذمہ داری اس قول و فعل اور خلق پر عمل کرنا ہے اور تمہیں اس پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں کہ کونسا قول مقبول ہے کونسا فعل مقبول ہے اور کونسا خلق منظور ہے۔ پس جو قول، فعل اور خلق رسول اللہ ﷺ کی ذات میں تمہیں نظر آئے اسے اپنالو اور اسی اطاعت کا حکم تمہیں دیا جارہا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ (۳٦)

انبیاء ورسل آتے ہی اس لیے ہیں کہ اُن کی اطاعت کی جائے اُن کی فرمانبرداری کی جائے اُن سے نسبت اتباع استوار کی جائے۔

اس لیے اللہ نے اُنہیں تمام انسانوں کے لیے اور اپنے بندوں کے لیے ایک مطاع مطلق بنایا ہے۔ اُمتی کا کام اطاعت رسول میں ڈھلنا ہے، اطاعت رسول کو اپنانا ہے، اطاعت رسول کا پیکر بننا ہے، اطاعت رسول کا نمونہ بننا ہے اطاعت رسول کی عملی شناخت بننا ہے، اطاعت رسول کی عملی تصویر بننا ہے اطاعت رسول کی زندہ علامت بننا ہے، اطاعت رسول میں خود کو کاربند کرنا ہے، اطاعت کا نتیجہ اللہ کی رحمت کی صورت میں میسر آتا ہے، سورہ آل عمران میں فرمایا:

لعلکم ترحمون (۳۷) اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو گے تو تمہیں اللہ کی رحمت میسر آئے گی۔ گویا رسول اللہ ﷺ کی رحمت کا فیض ہمیں آپ کی اطاعت سے میسر آئے گا، آپ کی اطاعت ہماری کامیابی ہے، آپ کی اتباع میں ہماری نجات ہے، آپ سے تعلق حُبی ہمارا ایمان ہے، آپ سے ربط دائمی ہمارا ایقان ہے، آپ کی اطاعتِ ابدی ہماری پہچان ہے۔

اطاعت میں استقامت اور توبہ و استغفار:

اب سوال یہ ہے کہ انسان اطاعت کرتے کرتے کبھی کبھی نادانستہ طور پر کسی غلطی و کوتاہی کا

ارتکاب بھی کرلیتا ہے، کوئی خطا انسان سے غیر ارادی طور پر بھی سرزد ہو جاتی ہے، انسان کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، انسان اطاعت کی بجائے معصیت کی طرف راغب ہو جائے، انسان کے وجودِ اطاعت میں کوئی انتشار آجائے تو اب کیا کرے، اللہ رب العزت نے اس معاملے میں بھی انسانوں کو اپنی ہدایت خاصہ سے نوازا ہے سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُواْ أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللّهَ تَوَّاباً رَّحِيماً۔(۳۸)

''اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) صرف اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان پاتے۔''

جانوں پر ظلم کیا ہے، قرآن کی نظر میں ایک انسان کا اپنی جان پر ظلم اور زیادتی یہ ہے کہ انسان اپنی جان کو اللہ کی فرمانبرداری سے دور لے جائے، انسان اپنی جان کو اطاعت سے محروم کر دے، انسان اپنی جان کو اتباعِ رسول سے ہٹا لے، انسان اپنی جان میں کسی معصیت کو پناہ دے، انسان اپنی جان میں کسی خلاف شرع امر کو پال لے، انسان اپنی جان میں کسی فعل حرام کو ٹھکانہ دے دے، انسان اپنی جان میں کسی ایسے امر کو اتار دے جو اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کے خلاف ہو جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہو، اور انسان اپنی جان کو خطاؤں اور گناہوں میں لت پت کر لے، انسان اپنے وجود کو گناہوں سے ناپاک کر لے، بندہ فرمان بردار بننے کی بجائے بندہ نافرمان بن جائے، انسان اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو بھُلا دے اور احکام الٰہی اور احکام رسول کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرنے لگے تو یہ عمل انسان کا اپنی جان پر ظلم عظیم کہلائے گا۔ فرمایا اگر تم اپنی جانوں پر ظلم کرلو وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُواْ أَنفُسَهُمْ کا مسئلہ تمہیں اپنی حیات میں پیش آجائے تم اس حقیقت کو اپنے اندر محسوس کرو۔ تمہارا ضمیر اس بات پر گواہی دے، تمہارا دل اس بات کا اقرار کرے اور تمہاری زبان اس بات کا اعتراف کرے، کہ تم نے اپنی جان پر نافرمانی کا ظلم کیا ہے۔ معصیت کا ظلم کیا ہے، گناہ کا ظلم کیا ہے، اللہ کے امر کو توڑنے کا ظلم کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کے امر کو چھوڑنے کا ظلم کیا ہے، اطاعت الٰہی کو ترک کرنے کا ظلم کیا ہے، اطاعتِ رسول سے روگردانی کرنے کا ظلم کیا ہے۔

یہ احساس ہو جانے کے بعد کیا کیا جائے فرمایا جاءوک درِ نبی پر آجاو۔ در اقدس پر حاضر ہو جاؤ، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آجاؤ، پیشِ رسول ہو جاؤ، درِ رسول کی طرف راغب ہو جاؤ، جہاں ہو اور جس جگہ ہو در رسول کی طرف ذہناً، قلباً اور جسماً متوجہ ہو جاؤ۔ درِ رسول کی طرف جاءوک پر عمل کرو، خواہ یہ حاضری جسمانی ہو یا روحانی، خواہ نظری ہو یا وجودی، خواہ قلبی ہو یا عملی، خواہ تصوراتی ہو یا حقیقی ہو، پس جاءوک کے عمل میں پناہ لے لو، جاءوک کے تصور میں ڈھل جاؤ، جاءوک کا سفر طے کر لو، جاءوک کی منزل پر پہنچ جاؤ۔

جب ایسا کر چکو تو اب اپنی زبان سے وظیفہ استغفار جاری کرو، اپنی لسان کو کلمات استغفار سے تر کرو، استغفار من الذنب کہاں سے طلب کرنا ہے، فرمایا جاء وک کی منزل پر اگر یوں کرو، ”فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ“ اللہ سے معافی طلب کرو، وہ گناہ اور معصیت کا ظلم جو تم نے اپنی جانوں پر کیا ہے، اس پر اللہ کی بارگاہ سے معافی طلب کرو، اپنے گناہوں پر توبہ کے آنسو گراؤ، اپنی آنکھوں کو ندامت کے آنسوؤں سے غسل دو، اپنے وجود سے گناہ کے سرزد ہونے پر شرمندہ ہو جاؤ، اللہ کی طرف رجوع کرو، اس رجوع کو رجوع کامل بنالو، اور رجوع مسلسل بنالو، اور رجوع دائمی بنالو، اور رجوع ابدی بنا لو، اس طرح کہ اب گناہ کی طرف رجوع ختم ہو جائے، مولا کی طرف رجوع ہو جائے، اب گناہ کی طرف دھیان ختم ہو جائے، مولا کی طرف دھیان و گیان شروع ہو جائے، اب رب کی طرف اس طرح آؤ، کہ پھر کبھی بھی گناہ کی طرف نہ جاؤ، اب گناہ اور خطا سے کلیتاً تائب ہو جاؤ، فقط توبہ نہیں توبۃ النصوح کر لو۔

رسول اللہ ﷺ کے استغفار، گنہگاروں کے لیے رحمت ہے:

تمہارے عمل کو دیکھ کر تمہیں اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے مشاہدہ کر کے رسول اللہ ﷺ بھی تمہارے لیے اللہ کی بارگاہ میں قبولیت استغفار کی سفارش کر دیں۔

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ۔(۳۹)

رسول اللہ بھی اپنے دستِ اقدس، رب کی بارگاہ میں تمہاری معافی کے لیے اُٹھا دیں، تمہاری توبہ کی قبولیت کے لیے دستِ رسول بھی اللہ کی بارگاہ میں اُٹھ جائیں، رسول اللہ ﷺ بھی تمہارے گناہوں کی معافی کی سفارش کر دیں۔

پس اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والو، اور اپنی جانوں کو گناہوں، خطاؤں، نافرمانیوں، میں مبتلا کرنے والو، جب تمہاری طرف سے یہ عمل ہو جائیں ”فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ“ تم خود اپنے گناہوں پر معافی

مانگو اور ''واستغفر لھم الرسول'' رسول اللہ ﷺ بھی تمہارے لیے معافی مانگیں۔ اب تم اپنے رب کو ''لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا'' کی صورت میں پاؤ گے۔ تم اپنے رب کو بڑا توّاب پاؤ گے، بہت زیادہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا پاؤ گے اور تم اپنے رب کو بہت زیادہ مہربان پاؤ گے مگر اس کی شانِ توابیت اور شانِ رحمیت کا ظہور تب ہو گا جب تمہارا عمل استغفار ظاہر ہو گا۔ اور تمہارے عمل استغفار میں رسول اللہ کی سفارش و دعا بھی ہو گی تو تب تم اپنے مولا کی رحمت کو اور اس کی شانِ توابیت کو اپنے کمال پر دیکھو گے۔ لَوَجَدُوا اللہ میں گناہ گاروں کے لیے خوشخبری ہے اور اُن کے لیے اطمینان قلب ہے۔ اس لیے کہ باری تعالیٰ نے فقط وَجَدُوا کے الفاظ ارشاد نہیں فرمائے بلکہ فرمایا: ''لَوَجَدُوا لام'' تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔

لام تاکید کسی بات کے یقینی تحقق اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے کہ تم اپنے اس عمل استغفار پر رب کی بارگاہ سے معافی اور قبولیت توبہ کی نعمت یقیناً پالو گے، لیکن اس سے پہلے تمہیں یہ اعمال کرنا ہوں گے۔ اللہ کی بارگاہ سے رحمت و مغفرت کی خیرات لینے کے لیے یہ تین عمل کرنا ہوں گے۔

۱۔ جاءوک کا پہلا عمل کرنا ہو گا۔

۲۔ اور پھر فاستغفروا اللہ کا عمل کرنا ہو گا۔

۳۔ پھر واستغفر لھم الرسول کا عمل چاہنا ہو گا۔

اور ان تینوں عملوں کے بعد نتیجہ ''لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا'' کی صورت میں ظاہر ہو گا گویا تمہاری توبہ و استغفار کی قبولیت کا مژدہ جانفزا ان دو عملوں جاءوک اور ''فاستغفروا اللہ'' کے درمیان ہے۔ تمہارا پہلا عمل جاءوک کا ہے اور تمہارا آخری عمل واستغفر لھم الرسول کا ہے۔ اس کے درمیان تمہارا از خود ''فاستغفروا اللہ ''کا عمل ہے۔

جاءوک کا عمل اور ''واستغفر لھم الرسول''کا عمل، یہ دونوں تمہارے ''فاستغفروا اللہ'' عمل کی قبولیت کے بنیادی ذرائع ہیں۔ یہ دونوں عمل تمہاری توبہ کی قبولیت کے بنیادی سبب ہیں۔ یہ دونوں عمل تمہاری توبہ کی مقبولیت کو یقینی بنانے کے وسیلے ہیں اور یہ دونوں عمل جاءوک اور ''واستغفر لھم الرسول''کا تمہیں رب کی بارگاہ سے توبہ کی قبولیت اور اس کی شان رحمت سے مستفید کرنے، فیض یاب کرنے اور اسے حاصل کرنے کا یقینی ذریعہ ہیں۔ پس جب تم نے جاءوک اور

"واستغفر لھم الرسول" کے درمیان "فاستغفروا اللہ" کا عمل کردیا ہے تو اب اللہ کی بارگاہ سے اس مژدا جانفزا کو سن لو۔

اللہ اور اس کے رسول کی رحمت کا بندے کو محیط ہونا:

"لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّاباً رَّحِیماً" اللہ نے تمہاری توبہ کو قبول کرلیا ہے اللہ نے تمہیں گناہوں سے معافی دے دی ہے۔ اللہ نے تمہارے عمل معافی اور عمل استغفار اور عمل توبہ کو قبول کرلیا ہے۔

پھر سے تمہیں اپنی بندگی میں شامل کرلیا ہے۔ اور پھر سے تمہیں اپنی رحمت خاصہ میں پناہ دے دی ہے اور پھر سے تمہیں اپنے مقرب بندوں کی صف میں شامل کردیا ہے اور پھر سے تم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع کرلیا ہے اور پھر سے تمہیں اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا ہے اور پھر سے تمہارے وجود میں اپنی فرمانبرداریوں کی بہاریں جاری کردی ہیں اور تمہارے وجود کو اپنی رحمت اور اپنی توفیق کے حصار میں لے لیا ہے اور تمہیں نافرمانی اور گناہ سے بچا لیا ہے۔ اس لیے کہ تمہارا رب تمہارے لیے لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّاباً رَّحِیماً کی شان والا ہے۔ وہ تمہیں اپنی رحمت سے بھی نوازے گا اور اپنے رسول کی بھی شانِ رحمت سے بھی، تمہیں مستفید کرے گا اور یقیناً یہ اس رسول کی شانِ رحمت ہی تو ہے جس کے باعث وہ تمہارے لیے اللہ کی بارگاہ سے معافی طلب کر رہا ہے اور تمہارے لیے استغفار کر رہا ہے اور اللہ سے تمہارے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہے اور اللہ سے تمہیں گناہوں سے پاک کرنے کی دعا کر رہا ہے اور یہ نبی تمہارے لیے اس لیے کر رہا ہے کہ وہ نبی تمہاری جانوں پر تم سے زیادہ حق رکھتا ہے اور تمہاری جانوں پر تمہارے نبی کا سب سے زیادہ حق ہے۔

اَلنَّبِیُّ أَوْلَی بِالْمُؤْمِنِینَ مِنْ أَنفُسِہِمْ۔(۴۰)

نبی ایمان والوں کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔

اگر اہلِ ایمان کے نزدیک نبی کی حقیقت اولی مِنْ أَنفُسِہِمْ کی ہے کہ وہ اپنی جانوں سے زیادہ نبی کو چاہتے ہیں وہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ رسول اللہ ﷺ کو چاہتے ہیں۔ یہ تعلق رب نے اپنے رسول اور اپنے رسول کے اُمتیوں کے درمیان پیدا کیا ہے اور ادھر رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے اُمتیوں سے یہ تعلق دیا ہے کہ ساری حیات طیبہ میں رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت کے لیے **واستغفر لھم الرسول** کا پیکر بن کر رہے اپنی اُمت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں بخشش و مغفرت کی دُعا کرتے رہے۔

ساری حیاتِ طیبہ میں آپ کا یہ عمل رحمت، یہ عمل شفقت، یہ عمل عاطفت اور یہ عمل کرم جاری رہا۔ حتیٰ کہ جب وقتِ وصال آیا تو اُس وقت بھی **واستغفر لهم الرسول** کا عمل جاری تھا اور آپ کی زبان اقدس پر یہ کلمات رواں تھے۔ **اللهم اُمتی، اللهم اُمتی، اللهم اُمتی**(۴۱)۔ مولا میری اُمت کو بخش دے، اللہ میری اُمت کے گناہ معاف کردے اللہ میری اُمت کو معافی و مغفرت کی خیرات عطا کردے۔

رسول اللہ کا یہ عمل آپ کی شانِ رحمۃ للعالمینی کا اظہار ہے اور آپ کی شانِ رحمت کا واضح اعلان ہے۔ اور اپنی اُمت سے بے پناہ محبت کا بین ثبوت ہے۔

رسول اللہ کا داعی الی اللہ ہونا بھی رحمت ہے:

اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کی شانِ رحمت کے تحقق کے لیے اور شانِ رحمت کے ثبوت کے لیے اور دنیا والوں پر آپ کی اس شان کو ظاہر کرنے کے حوالے سے، آپ کو دیگر شانیں بھی اس لیے عطا کیں، کہ آپ کی شانِ رحمۃ للعالمینی ہر کسی پر ظاہر ہو جائے اس لیے قرآن حکیم میں سورہ الاحزاب میں اور سورہ سباء میں ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً ○ وَدَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً ○ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلاً كَبِيراً۔(۴۲)

”اے نبی (مکرم) بے شک ہم نے آپ کو حق اور خلق کا مشاہدہ کرنے والا اور حسن آخرت کی خوشخبری دینے والا اور عذاب آخرت کا ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منور کرنے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے اور اہل ایمان کو اس بات کی بشارت دے دیں کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا افضل ہے۔“

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيراً وَنَذِيراً وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔(۴۳)

”اور (اے حبیب مکرم) آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ آپ پوری انسانیت کے لیے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

ان آیات میں باری تعالیٰ اپنے بندوں سے مخاطب ہو رہا ہے اور یہ فرما رہا ہے اے لوگوں میں نے اپنے رسول کو دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ کی شان عطا کی ہے وہ رسول لوگوں کو میری طرف بلاتا ہے لوگوں کو میری توحید کی

دعوت دیتا ہے، لوگوں کو میری توحید کی معرفت کے جام پلاتا ہے، لوگوں کو میری توحید سے آشنا کرتا ہے، لوگوں کو میری شان الوہیت سے آگاہ کرتا ہے، لوگوں کو مجھ سے ملاتا ہے، لوگوں کو میرے حضور جھکاتا ہے، لوگوں کو فقط میری عبادت کی طرف بلاتا ہے، لوگوں کو مجھ سے متعلق کرتا ہے۔ لوگوں کا مجھ سے وصل کا تعلق جوڑتا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ ہر دم، ہر لحظہ، ہر لمحہ دَاعِیاً إِلَی اللّٰہِ کا پیکر ہے۔ اُس کا بلاوا میری طرف ہے۔ اس کا پیغام میری طرف ہے، اس کی سعی میری طرف ہے، اس کی ساری مساعی میری سمت ہے، اس کے ہر عمل کی جہت میری جانب ہے، اس کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا میں ہوں، اس کا ہر عمل میری رضا کے لیے ہے اور وہ لوگوں کو میری رضا ہی کی طرف بلاتا ہے وہ داعی الی التوحید ہے داعی الی معرفۃ اللہ ہے، وہ داعی الی عبادۃ اللہ ہے، وہ داعی الی الوحدۃ اللہ ہے، وہ داعی الی قربۃ اللہ ہے، وہ داعی الی امر اللہ ہے، وہ داعی الی حکم اللہ ہے، وہ داعی الی طاعۃ اللہ ہے، وہ داعی الی رضاء اللہ ہے، وہ داعی الی العمل الصالح ہے، وہ داعی الی دین اللہ ہے، وہ داعی الی الاسلام ہے، وہ داعی الی کتاب اللہ ہے، وہ داعی الی السنۃ ہے۔

رسول کا بشیر ہونا بھی آپ کی شانِ رحمت کے باعث ہے:

اس لیے لوگو! اس رسول معظم کی دعوت سراسر خیر ہے اور اس کی دعوت الی اللہ ہے، اور اس کی دعوت ہر حرص سے پاک ہے۔ اس کی دعوت الی جانب اللہ ہے اور اپنی اس دعوت کو کامیابی تک پہنچانے کے لیے، اس دعوت کا ابلاغ کرنے کے لیے اور اس دعوت کو لوگوں کے دلوں میں اُتارنے کے لیے اور دعوت کو عملاً بپا کرنے کے لیے، اس دعوت پر اپنی شانِ رحمت کے تحقق اور ثبوت کے لیے اور اپنی اس دعوت کو دعوت الی الفوز و الفلاح بنانے کے لیے ہی ہم نے اس رسول کو بشیراً کی شان بھی عطا کی ہے۔ اس رسول مکرم کو ہم نے بشیر بنایا ہے، یہ لوگوں کو اسلام کی طرف سے خوشخبری دیتا ہے۔ یہ لوگوں کو اسلام کی ارفع تعلیمات سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو رب سے وصل کی خوشخبری دیتا ہے۔ یہ لوگوں کو عمل صالح پر جزاء کی خوشخبری دیتا ہے۔ یہ لوگوں کو نیکی کی دعوت دیتا ہے اور یہ رسول لوگوں کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے۔ یہ رسول لوگوں کو اپنے رب کی رضا کی خوشخبری دیتا ہے۔

رسول اللہ کا "نذیر" ہونا بھی آپ کی شانِ رحمت ہے:

ہم نے اس کے ساتھ ساتھ، اس رسول مکرم کو شان نذیریت کے ساتھ بھی مبعوث کیا ہے۔ یہ رسول لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈراتا ہے، یہ رسول لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہے، یہ رسول

لوگوں کو اللہ کے غضب سے ڈراتا ہے، یہ رسول لوگوں کو اللہ کے عتاب سے ڈراتا ہے، یہ رسول لوگوں کو اللہ کی ناراضگی سے ڈراتا ہے، یہ رسول لوگوں کو بُرے اعمال کی سزا سے ڈراتا ہے، اور یہ رسول لوگوں کو عذاب جہنم سے ڈراتا ہے اور یہ رسول لوگوں کو دوزخ کا ایندھن بننے سے ڈراتا ہے اور یہ رسول لوگوں کو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈراتا ہے یہ رسول لوگوں کو اللہ کی معصیت سے ڈراتا ہے اور یہ رسول لوگوں کو بُرے انجام سے ڈراتا ہے اور جب لوگ اس رسول کی شانِ نذیریت کے باعث ڈر جاتے ہیں تو یہ اپنے رب کی طرف آجاتے ہیں۔ اور یہ رب کے بندے بن جاتے ہیں اور ایسے بندے بنتے ہیں کہ رب ان کی بندگی پر فخر کرتا ہے۔ گویا اس رسول کا ڈرانا بھی رحمت ہے اس رسول کے ڈرانے کی بناء پر لوگ اللہ کے عذاب سے بچ جاتے ہیں اور رب کی رحمت کے آغوش میں آجاتے ہیں۔ اس انذار کی وجہ سے وہ دوزخ سے جنت کی طرف سفر کرتے ہیں وہ بندہ شیطان سے بندہ رحمن کی طرف آتے ہیں۔ وہ عمل سوء سے عمل صالح کی طرف آتے ہیں، وہ انجام بد سے انجام خیر کی طرف آتے ہیں، وہ رب سے لاتعلق ہونے کی بجائے رب کے تعلق میں آتے ہیں، اور پھر وہ رب سے تعلق بندگی کی بہاروں میں رہتے ہیں، یہ سارا کچھ رسول اللہ ﷺ کی شانِ رحمت کے باعث ہوا ہے۔

"سراجاً منیراً" بھی آپ کی شانِ رحمت ہے:

اور سورہ احزاب میں ہی فرمایا کہ ہم نے اپنے اس رسول کو سراجاً منیراً کی شان بھی عطا کی ہے ہم نے اپنے رسول کو ایک روشن آفتاب بنایا ہے۔ جو بھی آپ سے روشنی لے گا کبھی ناکام نہ ہو گا، جسے آفتاب رسالت سے روشنی میسر آئے گی، وہ کبھی نامراد نہ ہو گا، جس کے عمل کو عملِ رسول سے روشنی ملے گی، وہ کبھی رسوا نہ ہو گا، جس کے قول کو قول رسول سے ضیا ملے گی وہ کبھی بھی خاسر نہ ہو گا، جس کے خلق کو خلق رسول کی نسبت ملے گی، وہ کبھی بھی غیر معتبر نہ ہو گا اور جس کی سیرت کو سیرت مصطفےٰ کی روشنی ملے گی وہی زمانے میں قیادت و سیادت کے اہل ہو گا۔ فرمایا اے لوگو! جو کوئی بھی شخص جس بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو، زندگی کے جس بھی پیشے سے وابستہ ہو زندگی کی جس بھی سطح پر ہو، زندگی کے جس بھی منصب پر ہو، زندگی کے جس بھی مرحلے پر ہو، اس کی زندگی کا کمال میرے رسول کی زندگی کی پیروی میں ہے۔

پس جس نے اپنی زندگی کے شب و روز کو رسول اللہ کی زندگی کے شب و روز کے موافق بنایا، جس نے اپنی سیرت کو رسول اللہ کی سیرت کے مطابق بنایا اور جس نے رسول اللہ کے اسوہ حسنہ کو اپنی زندگی

کا نمونہ کمال بنایا یقیناً پھر وہ دنیا میں با کمال ہو گا، اور لاجواب ہو گا اور اس کی سیرت خود ایک حوالہ ہو گی اور اس کا کردار خود ایک عظمت کا نشان ہو گا اور اس کا عمل دوسروں کے لیے ایک مثال ہو گا اور اس کا قول دوسروں کے لیے لازوال ہو گا۔ اس لیے اس نے پیروی اس ذات کی کی ہے جسے ہم نے ''سراجاً منیراً'' کی شان والا بنایا ہے۔ اب اس کے قول میں اس کے فعل میں، اس کے خلق میں، اس کی سیرت میں، اس کے کردار میں، بھی سراجاً منیراً کا فیض جاری ہو گا۔ اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ''(۴۴) کا نور جاری ہو گا اور یہ سارا کچھ رسول اللہ کی شانِ رحمت کے باعث اُمت کو عطا کر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ کا شاہد ہونا بھی آپ کی شانِ رحمت ہے:

پھر سورہ احزاب میں ہی فرمایا میں نے اس رسول کو تمہارے لیے شاہد بھی بنایا ہے۔ یہ رسول شاہد ہے یہ واقعہ معراج کی صورت میں، حق تعالیٰ کا بھی شاہد ہے اور اپنے پورے زمانہ نبوت و رسالت میں اللہ کی ساری مخلوق پر بھی شاہد ہے۔ اسے شاہد اور مشاہدہ کرنے کی یہ شان ہم نے اسے عطا کی ہے اس لیے یہ رسول کل قیامت کے دن تمہارے قول پر شاہد ہو گا اور یہ رسول کل قیامت کے دن تمہارے عمل پر شاہد ہو گا اور یہ رسول کل قیامت کے دن تمہارے خلق پر شاہد ہو گا اور یہ رسول کل قیامت کے دن تمہاری سیرت و کردار پر شاہد ہو گا۔ اس لیے کہ ہم نے اسے اسی شان کے ساتھ مبعوث کیا ہے:

إِنَّآ أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا۔(۴۵)

رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت کے ہر ہر فرد کے عمل پر، ہر ہر شخص کے قول پر، ہر ہر اُمتی کے خلق پر، شاہد ہیں۔ اس لیے آج اُمت کے ہر ہر فرد کے عمل پر کل قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ گواہ ہوں گے، ہمیں دیکھنا ہو گا کہ ہمارا عمل قول رسول اللہ ﷺ کے موافق ہے یا نہیں، ہمارا کردار رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ہے یا نہیں، ہماری شناخت رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے مطابق ہے یا نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں:

نہی رسول ﷺ عن قتل النساء و الصبیان۔(۴۶)

رسول اللہ ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اسی طرح ابو ثعلبہ خشنی روایت کرتے ہیں کہ یہ حدیث طبرانی المعجم الاوسط میں ہے۔

نہی رسول اللہ ﷺ عن قتل النساء و الولدان۔(۴۷)

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آج ہمیں ہر اُس عمل سے بچنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے خلاف ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی شانِ رحمت کے خلاف ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے خلاف ہے۔

اتباعِ رسول ﷺ میں انسانیت کی معراج:

غیر مسلموں کے بچوں کا، عورتوں کا اور بوڑھوں کا قتل تو بڑی دور کی بات ہے، رسول اللہ ﷺ تو غیر مسلموں کے لیے بد دُعا بھی نہ کرتے۔

عن ابی ھریرۃ قال قیل یا رسول اللہ ادع علی المشرکین قال انی لم اُبعث لعاناً و انما بعثت رحمۃ۔(۴۸)

فی روایۃ انما بعثت رحمۃ ولم أبعث عذاباً۔(۴۹)

"حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا یارسول اللہ آپ مشرکین کے لیے بدعا کریں آپ نے فرمایا میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ دوسری روایت میں یوں ہے میں رحمت کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں عذاب کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں۔"

ان احادیث مبارکہ کے مطابق آج رسول اللہ ﷺ کا سچا اُمتی وہی ہے جو انسانیت کے لیے رحمت ہو، جو انسانیت کے لیے باعث خیر ہو، جس سے انسانیت سکھ پائے، دُکھ نہ پائے، جس سے انسانیت کو فائدہ ہو، نقصان نہ ہو، جس سے عالم انسانیت کو راحت ملے، ضرر نہ ملے، جس سے عالم انسانیت کو اذیت نہ ملے بلکہ سکون ملے، جس کا وجود انسانیت کے لیے عذاب نہ ہو بلکہ رحمت ہو، جس کا کردار انسانیت کے لیے اندھیرا نہ ہو بلکہ روشنی ہو، جس کی سیرت انسانیت کے لے قابلِ فخر ہو، جس کا عمل لوگوں کے لیے دلیل ہو، اور جس کا قول لوگوں کے لیے حجت ہو، جو اپنوں کے لیے بھی خیر کا باعث ہو اور غیروں کے لیے بھی سلامتی کا سبب ہو، جس پر اپنے بھی فخر کریں اور غیر بھی اطمینان کا اظہار کریں، جس کے وجود سے اسلام پھیلے جس کے کردار سے اسلام کی خوشبو آئے، اس کا قول و عمل قرآن سے روشنی پائے اور اُس کی سیرت و کردار سیرتِ رسول سے مستفید ہو اور یہی وہ مسلمان ہے جو مطلوب الی اللہ ہے اور یہی وہ مومن ہے جو مقصود الی الرسول ہے اور یہی وہ مسلمان ہے جو علامت اسلام ہے اور یہی وہ مسلم ہے جو برہان اسلام ہے اور یہی وہ اُمتی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کو ناز ہے اور یہی وہ بندہ ہے جس کی زندگی اور بندگی پر اللہ کو فخر ہے۔

خلاصہ تحقیق:

یہ ہر دور کی ایک زندہ، مسلمہ اور لاریب حقیقت ہے کہ اسلام کا دامن، تعلیمات امن اور رحمت سے بھرپور اور مملو ہے۔ اسلام ہر انسان سے محبت کی تعلیم دیتا ہے، محبت کسی بھی وجود میں رحمت کے جذبے کے بغیر فروغ نہیں پاسکتی، ایک مسلمان کو رحمت نبی آخر الزمان ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو کر میسر آتی ہے۔ اس لیے کہ ایک مسلمان اپنی شعوری زندگی میں اپنی تعمیر ذات اور تکمیل شخصیت کا سامان کرتا ہے اور اس سفر کا جوں ہی مسافر بنتا ہے اس کے سامنے انسان کامل کا تصور اُبھرتا ہے۔ وہ اس کے نقوش پا میں کھو جاتا ہے۔ اسے اس کی فطرت سلیمہ، اس کے علوم راسخہ، اس کا ایمان کاملہ، اس کا قلب مطمئنہ، اس کا وجود مطہرہ اور اسی کے افکار منورہ کہتے ہیں تو اس انسان کامل کے اسوہ میں ڈھل جا اس لیے تمہارے رب کا تمہارے لیے یہی حکم ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ایک بہترین نمونہ کمال ہے وہ دیکھتا ہے کہ جس رسول اکرم ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں ان کردار یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے ان کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنایا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔(۵۱)

پھر وہ اس سیرت و کردار کا مطالعہ کرتا ہے اور اس آفاقی سیرت و کردار کو خوب جانتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ یہ کردار رسول اللہ ﷺ اللہ کی ہر مخلوق سے پیار کرتا ہے۔ اللہ کی سب مخلوق سے محبت کرتا ہے، یہ معاشرے کے پسے ہوئے انسانوں کو اپنے گلے سے لگاتا ہے، یہ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں پر مہربان ہے، یہ کمزوروں، ضعیفوں، بیواؤں، فقیروں، مسکینوں، بے سہاروں، غلاموں، لونڈیوں اور نوکروں کے لیے ایک محل سکون ہے۔ ان پڑھوں، جاہلوں، گنہگاروں کے لیے ایک منزل اطمینان ہے، دشمنوں، منافقوں، مشرکوں اور کافروں کے لیے ایک ہدایت کا نشان ہے حتیٰ کہ انسانوں کا سردار اور انبیاء کا تاجدار نبی پروردگار پرندوں، جانوروں کے ساتھ ساتھ جمادات و نباتات کے لیے بھی سراپا رحمت ہے۔ ذہن کی اس روشنی میں اور فکر کی اس بلندی میں ایک انسان کا کردار انسان کامل کے روپ میں ڈھل جاتا ہے یا ڈھلنے لگتا ہے۔ اس لیے کہ یہی کردار کمال حیات ہے اور یہی حاصلِ زیست ہے۔

حواشی

۱۔ الانبیاء ۲۱:۱۰۷۔

۲۔ قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفےٰ مترجم غلام معین الدین مکتبہ حنفیہ لاہور، ج ا، ص ۳۵۔

۳۔ الانفال ۸:۳۳۔

۴۔ تفسیر ابن جریر طبری، ج ۱۷، ص ۸۳۔

۵۔ جلال الدین سیوطی، مناہل الصفا، ص ۶۰۔

۶۔ سباء ۳۴:۲۸۔

۷۔ الاعراف، ۷:۱۵۷۔

۸۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، کتاب المساجد، ج ا، ص ۱۹۹۔

۹۔ آل عمران ۳:۱۵۹۔

۱۰۔ التوبہ ۹:۱۲۸۔

۱۱۔ محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن الترمذی، باب کراھے ۃ الغش، الجزء، ص ۶۰۶۔

۱۲۔ آل عمران ۳:۱۵۹۔

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ یونس ۱۰:۵۷، ۵۸۔

۱۶۔ الضحیٰ ۹۳:۱۱۔

۱۷۔ الرعد ۱۳:۲۸۔

۱۸۔ النساء ۴:۸۰۔

۱۹۔ المجادلہ ۵۸:۲۰۔

۲۰۔ التوبہ ۹:۶۳۔

۲۱۔ التوبہ ۹:۲۹۔

۲۲۔ الحجرات ۴۹:۲۔

۲۳۔ الانفال ۸:۱۷۔

۲۴۔ الاحزاب ۳۳:۵۷۔

۲۵۔ الانفال ۸:۲۴۔

۲۶۔ النجم ۵۳:۳۔۴۔

۲۷۔ التوبہ ۹:۶۲۔

۲۸۔ الاحزاب ۳۳:۲۱۔

۲۹۔ البقرہ ۲:۶۴۔

۳۰۔ آل عمران ۳:۱۰۳۔

۳۱۔ آل عمران ۳:۱۳۲۔

۳۲۔ التوبہ ۹:۱۲۸۔

۳۳۔ النساء ۴:۱۷۰۔

۳۴۔ النساء ۴:۶۴۔

۳۵۔ الاحزاب ۳۳:۲۱۔

۳۶۔ النساء ۴:۶۴۔

۳۷۔ آل عمران ۳:۱۳۲۔

۳۸۔ النساء ۴:۴:۶۴۔

۳۹۔ ایضاً۔

۴۰۔ الاحزاب ۳۳:۶۔

۴۱۔ طاہر القادری، سیرۃ الرسول، مطبع منہاج القرآن پرنٹر لاہور، ج۶، ص۸۰۔

۴۲۔ الاحزاب ۳۳:۴۵، ۴۷۔

۴۳۔ سباء ۳۴:۲۸۔

۴۴۔ الاحزاب ۳۳:۲۱۔

۴۵۔ الاحزاب ۳۳:۴۵۔

۴۶۔ محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجهاد والسیر باب قتل النساء فی الحرم، ۹۸،۳، رقم ۲۸۵۲

۴۷۔ طبرانی، المعجم الاوسط رقم ۷۰۱۱، ج۷، ص۱۱۳۔

۴۸۔ محمد بن اسماعیل بخاری، الادب المفرد، ص۴۰۔

۴۹۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، الوفا فی رحمۃ النبی المصطفیٰ، ص۸۸۔

۵۰۔ ایضاً۔

۵۱۔ الانبیاء ۲۱:۱۰۷۔

پاکستان معاشرے کی تعمیرِ نو سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر مفتی ناصر الدین صدیقی

شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

ABSTRACT:

"Seerah means habbits, character and routine activities of a person.

In Islamic term it means the habbits, character and routine activities of the Holy Prophet Muhammad (PBUH).

All the Muslim Scholors are agree on this truth that "The success of this world and the life hereafter depends upon the following of Seerah of Hazrat Muhammad (PBUH), but this is also a fact that must of the common muslim as well as the prominent and intellectual muslim do not like to mould their lives in the light of Seerah.

The prefer to follow the Non muslims instead of Seerah or Sunnah. They say that it is only "Sunnah" not a "Farz" (Compulsory). In this way they insult the personality and ways of the Holy Prophet (PBUH).

Whenever the Muslim Ummah recognized and act upon the Seerah of Hazrat Muhammad (PBUH), they got success in the world and also retain the leadership of all nations.

Now in Pakistan, in this era, the Pakistani Scholors are again trying to reconstruct the Pakistani Society in the light of Seerah, to restor peace and prospirety in the country. If the whole nation sincerely act upon the Golden and enlightening Seerah of Hazrat Muhammad (PBUH), can hope that Insha Allah, by the grace of Allah (SWT), the Pakistani nation will produce a role model for other nations, in near future. May Allah (SWT) bless on us to love his beloved Prophet (PBUH), to strengthen our beliefs and to get success here and hereafter by adopting the life style and Seerah of Hazrat Muhammad (PBUH) in our daily life. (Ameen)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے دینِ اسلام کو رسولِ کریم ﷺ پر مکمل فرما کر یہ اعلان کر دیا کہ:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"(۱)

ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔

تاریخِ انسانی کا کوئی دور یا مختلف شعبہ ہائے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جس کے لئے رسولِ کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے رہنمائی نہ ملے۔

عصرِ حاضر ہو یا آئندہ آنے والے زمانے، سیرتِ طیبہ سے رہنمائی حاصل کیئے بغیر کوئی فرد یا کوئی معاشرہ نہ تو دنیاوی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں سرخروئی حاصل کر سکتا ہے۔

پاکستانی معاشرہ کے تناظر میں عصرِ حاضر کے مسائل کو ہم مندرجہ ذیل پانچ بڑی اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ مذہبی و اخلاقی مسائل　　۲۔ معاشی و اقتصادی مسائل

۳۔ سیاسی مسائل　　۴۔ تعلیمی مسائل

۵۔ عام معاشرتی مسائل

۱۔ مذہبی و اخلاقی مسائل:

مذہبی اور اخلاقی مسائل میں سے زیادہ اہم دو قسم کے مسائل اس دور میں ہمارے سامنے آتے ہیں:

(ا) فرقہ پرستی (ب) جدید ایجادات کے استعمال کا جواز یا عدم جواز۔

(ا) فرقہ پرستی:

موجودہ دور میں عالمِ اسلام میں فرقہ پرستی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور ہر فرقہ دوسرے فرقے کو کافر یا مشرک قرار دے کر آپس میں لڑنے اور ایک دوسرے کو ختم کرنے ہی کو جہاد تصور کرنے لگا ہے۔

سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اس کا حل اس طرح سے ممکن ہے کہ تمام فرقوں کے اکابر علماء اسلامی رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کی عزت کریں اور ایک دوسرے پر براہ راست کیچڑ اچھالنا بند کر دیں۔

ایسے عقائد و نظریات یا افعال و اعمال جو قرآن و سنت کی روشنی میں کفریہ یا شرکیہ ہوں ان کی یقیناً تکفیر کریں لیکن اس طرح سے کہ ”کفریہ یا شرکیہ عقائد و نظریات یا افعال و اعمال کا مرتکب شخص کافر یا مشرک ہے۔ براہِ راست کسی فرد، جماعت یا فرقے کو کافر یا مشرک قرار نہ دیں۔ اس لئے کہ حدیث ہے:

”عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ انّ رسول اللّٰہ ﷺ قال اذا قال الرجل لا خیہ یا کافر فقد بآء بہٖ احدھما۔“ (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کہے اے کافر! تو ان میں سے ایک ہوتا ہے۔

یعنی وہ کفران میں سے کسی ایک کی طرف ضرور لوٹے گا لہٰذا اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو گی کہ انسان خود تو کفر نہ کرے لیکن کسی دوسرے مسلمان بھائی کو کافر کہہ کر خود اس میں ملوث ہو۔

اسی طرح ایک اور حدیث ہے:

"عن ابی هریرة رفع الی النبی ﷺ انّ اللّٰه لا ینظر الیٰ صورکم واسوالکم ولکن انما ینظر الی اعمالکم و قلوبکم۔"(۳)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو صرف تمہارے اعمال اور تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ کی رو سے بھی جب تک کسی شخص کے کسی قول یا فعل کے بارے میں اُس کے دل کی نیت نہ معلوم کرلی جائے اس کے بارے میں زبان طعن دراز نہیں کرنی چاہیئے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک تاریخی اور مسلمہ حقیقت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بحیثیت مسلمان صرف دینِ اسلام کی تبلیغ کی اور صحابۂ کرام بھی صرف مسلمان ہوئے۔ نہ تو حضور اکرم ﷺ نے کوئی فرقہ بنا کر دیا اور نہ ہی صحابۂ کرام یا اہلِ بیت نے کوئی فرقہ بنایا بلکہ ان سب نے فرقہ پرستی سے بچنے کا عملی درس دیا۔ لہٰذا اگر تمام فرقوں کے علماء سالانہ سیرت کانفرنس کے موقع پر اپنے اپنے فرقوں کے خاتمے کا اعلان کریں اور عالمِ اسلام کے علماء کو بھی اس کے لئے تیار کریں کہ وہ اپنی شناخت بین الاقوامی سطح پر کسی فرقہ کے عالم کے طور پر نہیں بلکہ ایک مسلمان عالمِ دین کے طور پر کرائیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ عالمِ اسلام میں فرقہ پرستی کم یا ختم نہ ہو۔ بقول اس عاجز کے:

اس دور میں اسلام پر کیسے کریں عمل ہر فرقہ ہے پیچھے پڑا ہم کو بچایئے
(ناصؔر)

(ب) جدید ایجادات کے استعمال کا جواز یا عدم جواز:

جوں جوں زمانہ ترقی کرتا ہے انسان اپنی ضرورت کے لئے اشیاء ایجاد کرتا رہتا ہے۔ جو اشیاء اس دور میں ہمارے سامنے ہیں اور جنہیں ہم استعمال کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں یا مختلف کاموں کے سرانجام دینے کے لئے ہم جن طریقوں کو اختیار کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں، یقیناً قرونِ اولیٰ میں ان کا وجود ہی نہ تھا۔

ایک عام آدمی اکثر اس مخمصے میں پھنسا ہوا نظر آتا ہے کہ آیا اس کا اس دور کی ایجادات کا استعمال کرنا یا جدید طریقوں کو اختیار کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ مختلف فرقوں کے علماء ایک ہی ایجاد یا ایک ہی طریقے کے متعلق جائز یا ناجائز کا فتویٰ دے کر عوام الناس کو مزید پریشانی میں مبتلا کرتے ہیں۔ ایک فرقے کے نزدیک ایک چیز جائز ہے تو وہی چیز دوسرے فرقے کے نزدیک ناجائز ہے لہٰذا ایسے موقع پر ایک عام مسلمان کیا کرے؟

اس مسئلہ کا حل بھی ہمیں سیرتِ طیبہ سے اس طرح ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مشکوک و مشتبہ اشیاء یا طریقوں کے استعمال سے اجتناب کرنے کا عملی درس دیا۔ حدیثِ نبوی ہے:

"عن النعمان ابن بشیر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ الحلال بین والحرام بین و بینھما مشتبھات لا یعلمھن کثیر من الناس فمن التقی الشبھات استبرا الدینہ و عرضہ ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام کالرّاعی یرعی حول الحمٰ لھم شک ان یرتع فیہ الاوان لکل ملک حمی الاوان حمی اللّٰہ محارمہ الاوان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسوت فسد الجسد کلہ الاوھی القلب۔"(۴)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے تو جو شخص مشتبھات سے بچا اس نے اپنا دین پاک کیا اور اپنی آبرو محفوظ کی اور جو مشتبھات میں مبتلا ہوا وہ حرام میں مبتلا ہوا جیسے چرواہا جو کھیت کی منڈیر پر اپنے جانور چرائے تو خدشہ ہوتا ہے کہ کوئی جانور اس کھیت میں نہ گھس جائے۔ خبردار ہو کہ ہر بادشاہ کی ایک مقررہ حد ہے اور اللہ کی حد حرام چیزیں ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب تک وہ درست رہتا ہے سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ جان لو کہ وہ دل ہے۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

"استفت قلبک البر ما اطمانت الیہ النفس و اطمان الیہ القلب والا ثم ماحاک فی النفس وتردد فی الصدر وان افتاک الناس وافتوک۔"(۵)

ترجمہ: تو اپنے دل سے پوچھ! نیکی وہ ہے جس پر نفس اور دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور سینے میں تردد ہو، اگرچہ تجھے لوگ فتویٰ دیں اور تجھے فتویٰ دیں۔

مندرجہ بالا دونوں احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ " ہر دور میں مسلمان کو ہر مشکوک و مشتبہ چیز اور طریقے سے اجتناب کرنا چاہیئے اور جس چیز کے بارے میں دل میں کھٹکا ہو کہ لوگوں کو پتہ نہ چل جائے تو اس سے بھی بچنا چاہیئے اگرچہ لوگ کچھ بھی فتویٰ دیں۔" البتہ اگر علماء کی اکثریت کا اجماع ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

۲۔ معاشی و اقتصادی مسائل:

عصرِ حاضر میں اکثر اسلامی ممالک ترقی پذیر ممالک کی صف میں شامل ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ممالک میں اسلامی معاشی و اقتصادی نظام کے بجائے غیر مسلموں کا سودی نظام رائج ہے جس کے باعث یہ ممالک معاشی استحکام حاصل کرنے کے بجائے غیر مسلموں کے مقروض ہو کر معاشی تباہ حالی کا شکار ہو رہے ہیں۔

سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست میں ایک فرد کی بنیادی ضروریات خوراک، لباس، رہائش گاہ، علاج اور تعلیم ہیں۔ جہاں سے ضروریات حاصل کرنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے وہاں اسلامی ریاست کی بھی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ سادگی و میانہ روی کے لحاظ سے ہر شہری ان ضروریات کو آسانی سے حاصل کر سکے اور کوئی فرد ان سے محروم نہ رہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے فقر و فاقہ سے پناہ مانگی اور فرمایا:

"کاد الفقر ان یکون کفراً۔"(٦)

ترجمہ: ممکن ہے غربت کفر میں بدل جائے۔

آپ نے کسب حلال کے متعلق ارشاد فرمایا:

"طلب کسب الحلال فریفة بعد فریفة۔"(٧)

ترجمہ: حلال کمانا فرض ہے دیگر فرائض کے بعد۔

آپ نے خود بکریوں کی نگرانی اور تجارت بھی کی اور اپنی اُمت کو محنت کر کے رزق حاصل کرنے کا عملی درس دیا۔

مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست قائم کرنے کے بعد آپ نے بیت المال قائم کیا جس سے ریاستِ مدینہ کے مستحق شہریوں کو وظیفے بھی دیئے جاتے۔

زکوٰۃ و عشر، جزیہ و خراج، مالِ غنیمت و فے اور دیگر صدقات و عطیات اور ذرائع آمدنی سے جو آمدنی حاصل ہوتی اُسے آپ رعایا و ریاست کی فلاح و بہبود پر خرچ فرماتے اور آمدنی و خرچ میں ایسا توازن قائم رکھتے کہ تمام مسائل مجموعی وسائل سے نہ صرف حل ہو جاتے بلکہ بیت المال میں بھی کچھ نہ کچھ خزانہ ایمرجنسی فنڈ کے طور پر باقی رہتا۔

حاصل اس آمدنی و خرچ میں نیک نیتی و اخلاص کار فرما ہوتا اور اس میں نہ تو اپنا کمیشن ہوتا اور نہ ہی ہارس ٹریڈنگ کے لئے کوئی خفیہ فنڈ ہوتا۔ خرچ صرف ضرورت پر اعتدال کے ساتھ کیا جاتا۔ شکار یا سیر و تفریح اور ثقافتی طائفوں کے ناچ گانوں پر خرچ نہیں ہوتا تھا۔

اس لئے اگر اسلامی ممالک کے حکمران سیرتِ طیبہ سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے سادگی و کفایت شعاری اپنائیں، فضول خرچی سے گریز کریں اور مجموعی قومی وسائل کو صحیح منصوبہ بندی، نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ استعمال کریں اور ان کے ضیاع کو روکیں تو پھر غیر مسلموں سے قرضہ لے کر ان کے آلۂ کار بننے کی ضرورت نہ پڑے۔

انسان فطری طور پر آرام طلب اور عیش پسند واقع ہوا ہے اور اس میں خود غرضی و ہوس جیسی بری صفات بھی موجود ہوتی ہیں لہٰذا وہ ضروریات کی تکمیل کے بعد ”سہولیات“ اور ”تعیشات“ کی طرف دوڑتا ہے اور پھر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے جائز و ناجائز کی تمیز کھو کر سامانِ راحت اکٹھا کرنا شروع کر دیتا ہے مگر اس کی ہوس ختم نہیں ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ خود ختم ہو جاتا ہے۔

اگر ہمارے ائمہ مساجد اور ذرائع ابلاغ و نشر و اشاعت سادگی و کفایت شعاری، احسان و ایثار اور ہمدردی و رحمدلی جیسی اعلیٰ صفات کی برکات سے عوام الناس کو روشناس کرائیں اور نفسانی خواہشات کے دنیا و آخرت میں نقصانات اور عذابات کا تذکرہ کر کے انہیں اللہ سے ڈرائیں تو یقیناً لوگوں میں جذبۂ اخوت پروان چڑھے گا اور مہنگائی و بیروزگاری جیسے بڑے مسائل میں ضرور کمی آئے گی۔ اس کے علاوہ زراعت، تجارت اور صنعت کی ترقی کے لئے بھی فوری اقدامات کی ضرورت ہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے جائز ذرائع استعمال کرکے دولتمند بننے سے منع نہیں فرمایا لیکن دولت کو اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے فضول خرچ کرنے سے منع فرمایا اور اسے مخلوق کی امداد کے لئے خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ لہٰذا عالمِ اسلام کے معاشی و اقتصادی مسائل کا حل سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اس بات میں پوشیدہ ہے کہ " رعایا اور حکمران دونوں حصولِ رزق اور ترقئ معاش کے لئے بھرپور محنت کریں اور اس محنت کے نتیجے میں جو وسائل حاصل ہوں انہیں صرف ضرورت پر سادگی و میانہ روی کے ساتھ خرچ کریں اور بقایا بچت ملک کے ترقیاتی کاموں، روزگار کی فراہمی اور قرضوں کی ادائیگی پر لگائیں اور فضول خرچی و سامان تعیشات مثلاً بڑی گاڑیوں، بڑی عمارتوں اور جدید فرنیچر وغیرہ سے سختی سے اجتناب کریں۔"

۳۔ سیاسی مسائل:

عصرِ حاضر میں عالمِ اسلام میں تقریباً پچاس اسلامی ممالک ہیں اور پوری دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک اَرب نفوس سے زائد ہے، جو دنیا کی کل آبادی کا تقریباً پانچواں حصہ ہے۔

اسلامی ممالک کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے شمار نعمتوں اور ہر طرح کے وسائل سے مالامال کیا ہوا ہے لیکن عالمگیر اسلامی اخوت و اتحاد کے فقدان کے باعث مغلوب ہیں۔ اکثر اسلامی ممالک کے حکمرانوں کا رب عملی طور پر اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ غیر مسلم بڑی طاقتیں ہیں اور یہ ممالک اپنے باہمی معاملات اور مسائل کے حل کے لئے تعلیماتِ نبوی سے رہنمائی لینے کے بجائے غیر مسلم بڑی طاقتوں سے رجوع کرتے ہیں۔

خود کئی اسلامی ممالک اندرونی خلفشار کا شکار ہیں اور سرکاری سطح پر نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے سخت خلاف ہیں اور غیر مسلموں کے قوانین پر کاربند ہیں۔

اس قسم کے تمام سیاسی مسائل جن کے باعث اسلامی ممالک کو نہ تو اندرونی استحکام نصیب ہے اور نہ ہی پڑوسی ممالک سے ان کے تعلقات اچھے ہیں صرف تعلیماتِ نبوی سے روگردانی کا نتیجہ ہیں۔

رسولِ کریم ﷺ نے ریاستِ مدینہ قائم کرتے ہی سب سے پہلے مواخاۃ بین الانصار والمہاجرین قائم کی تاکہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہ یعنی مقامی اور مہاجرین متحد رہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہود مدینہ کے ساتھ ایک معاہدہ " میثاقِ مدینہ " کیا تاکہ اندرونی طور پر کسی شورش کا خطرہ نہ رہے۔

ریاست کے داخلی استحکام کے بعد آپ نے بیرونی ممالک سے رابطے کیئے اور وفود روانہ کر کے انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کے ساتھ اسلامی رواداری و احسان کا سلوک کیا جس کے باعث کئی ممالک اور ریاستوں کے حکمرانوں نے اسلام قبول کیا۔

عصرِ حاضر میں اسلامی ممالک کو اپنے داخلی اور خارجی مسائل سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اس طرح حل کرنے چاہیئے کہ ملک میں موجود تمام مسلمان جماعتوں، فرقوں اور گروہوں سے ملک کی ترقی اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے تجاویز طلب کریں اور پھر انہیں ساتھ بٹھا کر اتفاقِ رائے سے جو طریقۂ کار طے ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

موجودہ دور میں بعض اسلامی ممالک میں بادشاہت ہے اور بعض جگہ صدارتی یا وفاقی اور پارلیمانی نظام رائج ہے۔ سیرتِ طیبہ کے حوالے سے ان میں سے کوئی نظام بھی اسلام کے سیاسی نظام سے بہتر نہیں۔

اس لئے اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ اسلام کا شورائی نظام نافذ کیا جائے اور حکمران، خلیفۃ المسلمین ہو، جو ایسی سیرت و کردار کا مالک ہو کہ جمعہ اور عیدین کی نماز بھی خود پڑھا سکے۔

ملک کے ہر ضلع سے ایک رکن شوریٰ منتخب کیا جائے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہترین سیرت و کردار کا مالک ہو۔ اس رکن کے انتخاب کا آسان طریقہ، جس میں کوئی زیادہ خرچہ بھی نہ ہو، یہ ہو سکتا ہے کہ نماز جمعہ کے اجتماعات میں ہر مسجد میں ووٹنگ کروائی جائے اور اس طرح ہر ضلع سے جو رکن شوریٰ منتخب ہو انہی میں سے خلیفہ اور وزراء و مشیر کا انتخاب ہو جائے۔

یہی ارکانِ شوریٰ غیر مسلموں اور ذمیوں کو اسلامی ریاست میں ان کے حقوق دینے اور دلانے کے ذمہ دار ہوں اور معاشرے کے ہر طبقے کے مسائل کا حل انہی کے ذمہ ہو۔

داخلی استحکام کے بعد خارجہ پالیسی پر اس طرح توجہ دی جائے کہ تمام مسلم ممالک کا ایک بلاک ہو جن کے غیر مسلم بلاکوں سے بھی اچھے تعلقات ہوں۔

اسلامی ممالک کے بین الاقوامی سیاسی مسائل کا حل سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اس طرح ممکن ہے کہ تمام اسلامی ممالک عالمگیر اسلامی اخوت کا پرچار کریں اور اس کا عملی اظہار بھی کریں۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

"تری المومنین فی تراحمھم و توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد اذا شتکیٰ عضوٌ منہ تداعیٰ لہ' سائر الجسد بالسھر والحمی۔"(۸)

ترجمہ: تم دیکھو گے مومنوں کو باہمی رحمت، محبت اور شفقت میں اس طرح جیسے ایک بدن، جب ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارا بدن اس کی تیمارداری کرتا ہے، بیدار رہ کر اور بخار میں تپ کر۔

بقول شاعر:

اخوت اس کو کہتے ہیں چھبے کانٹا جو کابل میں   ہندوستاں کا ہر پیر و جواں بیدار ہو جائے

اگر تمام اسلامی ممالک، غیر مسلم بڑی طاقتوں کے رعب اور غلبے سے نکل کر اپنا الگ اسلامی بلاک مضبوطی سے قائم کریں۔ اسلامی ممالک معاشی اور دفاعی معاہدات کریں، مشترکہ اسلامی فوج اور مشترکہ اسلامی فنڈ قائم کریں اور جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول کی بھرپور کوشش کریں تو نہ ہی کشمیر کے مظلوم مسلمان سسکتے ہوئے شہید ہوتے رہیں اور نہ ہی بوسنیا، فلسطین یا برما و چیچنیا کے۔

لہٰذا عصرِ حاضر کے تمام سیاسی مسائل کا حل بھی عالمگیر اسلامی اخوت میں مضمر ہے، جس کے لئے تقریری مقابلوں یا مقالات کے مقابلوں سے زیادہ عملی جہاد کی ضرورت ہے۔

۴۔ تعلیمی مسائل:

دینِ اسلام کے داعی حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی کا نزول ہی لفظ "اقرأ" (پڑھ) سے ہوا اور آپ نے اپنی تشریف آوری کا مقصد بھی یہی بتایا کہ:

"انما بعثت معلماً۔"(۹)

ترجمہ: بیشک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

یہی نہیں بلکہ آپ نے حصولِ علم کے متعلق ارشاد فرمایا:

"طلب العلم فریضة علی کل مسلم ۔"(۱۰)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس تحصیلِ علم کے بارے میں کسی دانا کا قول مشہور ہے:

"اُطلبوا العلم من المھدِ الی اللحد۔"

ترجمہ: علم حاصل کرو پالنے سے لحد تک۔

رسولِ کریم ﷺ نے اعلانِ نبوت سے لے کر وصال تک انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس کے بارے میں آپ نے تعلیم نہ دی ہو اور خود عملی طور پر رہنمائی نہ کی ہو۔

غزوۂ بدر میں جو کفارِ مکہ قید کیئے گئے ان کی رہائی کے لئے آپ نے ایک آسان اور اہم شرط یہ رکھی کہ جو لوگ پڑھنا لکھنا جانتے ہیں وہ دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔(۱۱)

ارشادِ نبوی ہے:

اس طرح آپ نے یہ اشارہ بھی دیا کہ علم کی اور عالم کی عزت کی جائے اور علم، خواہ غیر مسلم ہی کے پاس کیوں نہ ہو اور اس کے حصول کے لئے کوئی تکلیف یا سفر کی زحمت بھی اُٹھانا پڑے تو اُسے ضرور حاصل کرنا چاہیئے۔

ایک موقع پر آپ نے طالبعلم کو مجاہد کے برابر قرار دے کر اُسے جنت کی راہ کا مسافر قرار دیا۔ اور عالم کے قلم کی سیاہی کو شہید کے خون سے زیادہ اہمیت عطا فرمائی۔

مندرجہ بالا تمام تعلیمات نبوی عالمِ اسلام میں بہت مشہور ہیں اور دنیا کا کوئی ایسا خطہ جہاں مسلمان آباد ہیں سیرتِ طیبہ کے اس گوشے سے وہ بے خبر نہیں ہیں، مگر افسوس کہ آج مسلمان علم کے میدان میں خصوصاً جدید سائنس و ٹیکنالوجی کی دنیا میں غیر مسلم ممالک سے بہت پیچھے ہیں اور مندرجہ ذیل تعلیمی مسائل میں گرفتار ہیں:

(ا) ناخواندگی۔(ب) طبقاتی نظامِ تعلیم (ج) جدید علوم وفنون کا فقدان۔

(ا) ناخواندگی:

عصرِ حاضر میں مسلمانانِ عالم کی اکثریت ناخواندہ ہے اور اس کی بنیادی وجہ سرکاری سطح پر ترجیحی بنیاد پر ناخواندگی کو دور نہ کرنا ہے۔ کسی بھی اسلامی ملک میں تعلیم پر سالانہ بجٹ میں اتنی رقم نہیں رکھی جاتی جتنی دیگر مدات میں رکھی جاتی ہے۔

خصوصاً ہمارے ملک پاکستان ہی کی مثال لی جائے تو" تعلیم "کو غیر ترقیاتی اخراجات کی فہرست میں رکھا جاتا ہے اور" اقراء ٹیکس" کے نام پر بھی جو رقم وصول کی جاتی ہے وہ فضول خرچی کی نذر ہو جاتی ہے، تعلیم پر نہیں خرچ کی جاتی۔ ذرائع ابلاغ نئی نسل کو بے غیرت، بے حیا اور والدین کا نافرمان بنانے کی تبلیغ میں مصروف ہیں اور سارا زور غیر مسلموں کے ناچ گانوں اور ڈراموں کی نقالی پر صرف کر رہے ہیں اور دکھاوے کے طور پر تھوڑی دیر تعلیم کو دے کر بھی احسان کر دیتے ہیں۔

دیہی علاقوں میں وڈیروں، جاگیرداروں، سرداروں اور چوہدریوں نے اپنی بادشاہت کو قائم رکھنے کے لئے غریب ہاریوں کے بچوں پر تعلیم کے دروازے بند کر رکھے ہیں کہ اگر انہیں علم حاسل کرکے

شعور آگیا تو یہ مساوات اور حقوق کی بات نہ کرنے لگیں۔ گویا ہمارے ملک میں تعلیم کی سرپرستی کرنے والے طبقے، حکمران اور ذرائع ابلاغ کا اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کرنا ہی ناخواندگی کا سبب ہے۔

جس طرح رسولِ کریم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے مدینہ طیبہ کے لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔ اسی طرح حکمران اپنے اپنے ملک کے دور دراز اور پسماندہ علاقوں میں سرکاری سطح پر اساتذہ بھیجیں اور مسجد اسکول کو فعال بنائیں اور ہر پڑھا لکھا شخص علم کو پہنچانے اور پھیلانے کا فرض بھی پورا کرے تو یقیناً عالمِ اسلام کی شرح خواندگی میں اضافہ ہوگا اور ہم تعلیماتِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے دوبارہ پیشوائے عالم بن سکتے ہیں۔

(ب) طبقاتی نظامِ تعلیم:

عالمِ اسلام میں دو اقسام کے طبقات تعلیم موجود ہیں جن کے باعث جو لوگ تعلیم حاصل کر بھی لیتے ہیں وہ عالمی سطح پر علم کے اُس معیار پر نہیں پہنچ پاتے جس کی ضرورت ہے۔

اکثر اسلامی ممالک میں دو طرح کے مدارس ہیں:

i۔ دینی مدارس، ii۔ دنیاوی تعلیم کے مدارس۔

i۔ دینی تعلیم کے مدارس:

دینی مدارس میں عام طور پر ایسا نصاب رائج ہوتا ہے جو دنیاوی تعلیم کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ لہٰذا عربی زبان میں واقفیت حاصل کرنے اور دینی مسائل کو سمجھ لینے کے بعد دینی مدرسے کا فارغ التحصیل عام طور پر امام مسجد یا بچوں کو قرآنِ مجید پڑھانے والا دینی تعلیم دینے والا مدرس ہی بن سکتا ہے، تسخیرِ کائنات میں وہ کوئی نمایاں کردار ادا نہیں کر سکتا۔

دینی تعلیم عام طور پر غربأ کے بچے اپنی علاقائی یا قومی زبان میں حاصل کرتے ہیں جن کی پرورش زکوٰۃ و صدقات اور عطیات سے ہوتی ہے۔ امراء کی اکثریت اپنی اولاد کو ''مُلاّ'' بنا کر بیکار کرنا نہیں چاہتی۔ خواہ ان کی اولاد کو قرآنِ پاک یا نماز پڑھنا بھی نہ آئے اور وہ ڈسکو ڈانسر بن کر انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کر کے اپنے والدین کو انگریزی میں گالیاں ہی کیوں نہ دیں۔ مشاہدے میں آتا ہے کہ عصرِ حاضر میں مسلمان بچے اپنے والدین کو "Don't become stupid" (پاگل نہ بنیں) کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

ii۔ دنیاوی تعلیم کے مدارس:

ان مدارس کا نصاب عام طور پر اس طرح کا ہوتا ہے کہ جسے پڑھ کر بچہ کلرک یا بابو تو بن سکتا ہے لیکن دین سے اس کا تعلق زیادہ گہرا نہیں رہتا۔ وہ اسلامیات صرف پاس کرنے کے لئے پڑھتا ہے کیونکہ دنیاوی مدارس کی تعلیم میں عمل اور تربیت پر زیادہ زور نہیں دیا جاتا اور نہ ہی دنیاوی تعلیم کے مدارس کے اساتذہ کی اکثریت تربیت یافتہ یا اعلیٰ سیرت و کردار کی مالک ہوتی ہے۔

ملکِ پاکستان میں دنیاوی تعلیم کے مدارس بھی دو طرح کے ہیں:

ا۔ انگریزی میڈیم مدارس۔ ۲۔ اردو یا سندھی میڈیم مدارس

ا۔ انگریزی میڈیم کے مدارس میں صرف امیروں کے بچے پڑھ سکتے ہیں کیونکہ یہ ادارے زیادہ تر پرائیویٹ ہوتے ہیں اور ان میں پڑھانے کے اخراجات غریب یا متوسط طبقہ برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ان مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ بیوروکریٹس، اعلیٰ افسران اور حکمران بنتے ہیں اور ان کی دینی تربیت برائے نام بھی نہیں ہوتی ہے۔ اردو یا سندھی میڈیم کے مدارس میں غریب اور متوسط طبقے کا بچہ تعلیم حاصل کرتا ہے جو کلرک یا بابو اور چھوٹے درجے کا ملازم بن سکتا ہے اس کے لئے دنیاوی ترقی کے زیادہ مواقع نہیں ہوتے اور ان مدارس میں بھی دینی تربیت بہت کم ہوتی ہے۔ اس کے لئے اساتذہ کی تربیت کر کے انہیں باوقار مقام دینے سے اچھے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرتِ طیبہ کی روشنی میں مسجد و مکتب کو زیادہ اہمیت دی جائے اور پورے ملک میں تعلیم کے لئے ایک ہی اُس ملک کی قومی زبان رائج ہو اور نصاب تعلیم ایسا رکھا جائے جو دینی و دنیاوی علوم کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ طبقاتی نظامِ تعلیم ختم کر کے ایک ہی نظامِ تعلیم قائم کیا جائے تاکہ ملک کے سارے بچے اپنی صلاحیتوں کو پورے طور پر اُجاگر کر سکیں۔

ج۔ جدید علوم و فنون کا فقدان:

عالمِ اسلام میں کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں ہے جو جدید علوم و فنون میں غیر مسلم ممالک کے برابر یا اُن سے آگے ہو۔ اس کی بنیادی وجہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کی جدید علوم و فنون کی سرپرستی نہ کرنا ہے۔

غیر مسلم ممالک میں ایک محقق اور سائنسدان پر ان کی حکومت کافی رقم خرچ کرتی ہے اور ان کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچاتی ہے۔ انہیں کتابوں، کتابچوں اور سائنسی آلات کے حصول میں امداد دیتی ہے، انہیں عزت دیتی ہے، بلند معاشرتی مقام دیتی ہے اور ان کے مشوروں پر عمل بھی کرتی ہے۔

اگر اسلامی ممالک بھی اعلیٰ تعلیمی اداروں میں محققین اور سائنسدانوں کو سرکاری سطح پر پذیرائی حاصل ہو اور حکومتیں ان کی ضروریات پوری کرتے ہوئے انہیں سہولتیں بہم پہنچائے اور انہیں ترغیب دینے کے لئے اچھی پیشکش کرے۔ کتابوں، کتابچوں اور سائنسی آلات فراہم کرنے میں امداد دے تو یقیناً اسلامی ممالک بھی ترقی یافتہ ممالک کی صفوں میں شامل ہو سکیں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ سے بھی جدید سائنس و ٹیکنالوجی پر دستاویزی پروگرام پیش کیئے جائیں اور نئی نسل میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کیا جائے اور جو موجودہ مسلم سائنسدان و محققین ہیں ان کی خدمات کو منظرِ عام پر لانے سے مزید ترغیب دی جا سکتی ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجمؔ:

سب کو جینے کا ڈھنگ دیتی ہے میرے آقا حضور ﷺ کی سیرت

ملک و ملت کو رنگ دیتی ہے میرے آقا حضور ﷺ کی سیرت (۱۲)

۵۔ عام معاشرتی مسائل:

عصرِ حاضر کے اکثر عام معاشرتی مسائل کا تعلق بھی معاشی مسائل سے جس کے باعث انہیں Socio Economic Problems بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مسائل والدین کی اولاد کی صحیح تربیت نہ کرنے اور اساتذہ و علماء کا نئی نسل کو عملی طور پر اسلامی اقدار سے روشناس نہ کرانے کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔

موجودہ دور میں عالمِ اسلام کے حوالے سے کوئی بھی اسلامی ملک، ایک اسلامی فلاحی مملکت یا اسلامی معاشرے کی صحیح عکاسی نہیں کر رہا ہے، ہر اسلامی ملک میں سنگین جرائم مثلاً: چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری، لوٹ مار، گروہی و نسلی اور لسانی و صوبائی عصبیتیں اور قبائلی یا رنگ و نسل کے امتیازات کی بنیاد پر ظلم و بربریت کا دور دورہ ہے۔ مادہ پرستی، منشیات کا استعمال، خاندانی رقابتیں، رشوت و بدعنوانی، سفارش و اقرباپروری جیسی مذموم صفات اسلامی معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر چکی ہیں۔

یہ تمام مسائل سیرتِ طیبہ سے منہ موڑنے کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اگر والدین، اساتذہ اور علماء سیرتِ طیبہ پر عمل کریں اور ذرائع ابلاغ، محسنِ انسانیت کی سیرت کو صرف ماہ ربیع الاوّل ہی میں نہیں، بلکہ سارا سال بیان کرتے رہیں اور عدل و انصاف، ایثار و احسان، اخوت و مساوات، توکل و قناعت، توبہ و استغفار، ہمدردی و رحمدلی، تقویٰ و تواضع، صبر و شکر اور ذکر و فکر سے متعلق سیرت کے واقعات کو نئی نسل تک منتقل کریں اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کے ثمرات اور ان کی عدم ادائیگی کے نقصانات اور آخرت کے عذابات سے عوام الناس کو روشناس کراتے رہیں تو انشاء اللہ ! اس ملغوبہ

تہذیب و معاشرت (Mix Culture) کے باعث پیدا ہونے والے مسائل ختم ہو جائیں گے اور اسلامی معاشرہ قائم ہونے سے امن وسکون کی فضا قائم ہو سکے گی۔

بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ:

خلاف پیمبر کسے راہ گزید　　　　که ہر گز بمنزل نہ خواہد رسید

ترجمہ: نبی علیہ السلام کے طریقے کے خلاف کون راہ پا سکتا ہے کہ اس طرح ہر گز کوئی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

لہٰذا یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ صرف سیرتِ محمدی ﷺ ہی تہذیب و ترقی کا سرچشمہ ہے اور اس پر عمل کیئے بغیر کوئی بھی معاشرہ کسی بھی قسم کی ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لئے پاکستانی معاشرے کی تعمیرِ نو کے لئے منصوبہ بندی، تدریج، تسیز، مشاورتِ ماہرین، بلا تخصیص احتساب اور نفاذِ قانون و شریعت کے لئے انفرادی و اجتماعی سطح پر زندگی کے ہر شعبے میں فوری انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے۔

بقول پروفیسر سعید اکرم:۔

دعا مانگو سعید اکرمؔ کہ ہر جانب نظر آئے
مری دھرتی کے ہر پیر و جواں میں آپ ﷺ کی سیرت
(۱۳)

حوالہ جات

۱۔ القرآن، سورۃ الاحزاب/۲۱۔
۲۔ صحیح البخاری: کتاب الادب، باب/۶۲۹۔
۳۔ سنن ابن ماجہ، ج/۲، باب/۷۵۶، ورواہ مسلم ایضاً۔
۴۔ مشکوٰۃ متفق علیہ، ج/۲، باب الکب الحلال۔
۵۔ مسند احمد و مسند دارمی، ج/۱، کتاب الایمان، مشکوٰۃ کتاب البیوع، فصل اوّل۔
۶۔ ابن منیع بحوالہ کنوز الحقائق فی احادیث خیر الخلائق۔
۷۔ مشکوٰۃ رواہ طبرانی، بیہقی، فصل ثالث۔
۸۔ متفق علیہ، صحیح البخاری، جز/۱۸، ص/۴۲۶، رقم الحدیث/۵۵۵۲، صحیح مسلم۔
۹۔ سنن ابن ماجہ، ج/۱، باب/۳۸، رقم الحدیث/۳۳۵، جز/۱۲، ص/۴۶۶، ۴۶۸۔
۱۰۔ ایضاً، ج/۱، کتاب العلم، ورواہ بیہقی فی شعب الایمان۔
۱۱۔ صحیح البخاری، امام محمد بن اسمعیل، ج/، باب/۔
۱۲۔ سیرتِ حضور ﷺ کی خوشبو، ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم، عبد الحق نعت فاؤنڈیشن، پاکستان، سرگودھا۔
۱۳۔ لوح بھی تو قلم بھی تو، پروفیسر سعید اکرم، دارالنور، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص/۶۰۔

ذرائع ابلاغ کا کردار اور ذمہ داریاں
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
منہاج یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

The Mass-media has got a greater value in the national, international and social system due to its scope and importance. It is used not only for communication, but also has become an effective source to provoke the economy and to promote the culture. The news of the incidents which occur on the distance of thousands miles away, spread in all over the world within moments. These are also the sharpest source for spreading and acquiring education (there are thousands of books on education and research for the study lovers all the time. These are the positive factors of the modern mass media, which cannot be denied. But instead of the bright features of the modern mass media, some negative and dark features also exist, which are going to exploit the social values. These are the cause of discomfort for the sympathetic and mild-hearted persons. The basic reason of this situation is the deviation from the acquiring guidance from our Islamic, moral values and religious teachings. Moreover, there is a successful and peaceful pattern to spend life for the human beings, in the shape of Seerat-e Nabvi(S.A.W.W) which guides us in all the spheres of life. The present role of media in our society is discussed in the light of Holy Qur'an and Sunnha to explain its function. It is also tried to make clear that what are the responsibilities imposed on related persons0 of media to acquire the benefits from mass-media, so that we may get the positive benefits from it. In this way, after acquiring, these modern and the fastest resources might be used for the completion of national and international demands. And our media may play a role of an ideological country's media in real meanings.

زیر بحث موضوع "ذرائع ابلاغ اور ہماری ذمہ داریاں، سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں" بنیادی طور پر تین اہم پہلوؤں پر محیط ہے:

۱) ذرائع ابلاغ، یہ پہلو دو چیزوں ذرائع اور ابلاغ کی ہر ممکن اور مروج صورت کو شامل ہے۔

۲) ابلاغ کی بالخصوص مروّج صورتوں، ان کی افادیت، ان کے اثرات اور نتائج کے حوالے سے معاشرے کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کی ان ذمہ داریوں کا تعین کرنا، جو ان پر عائد ہوتی ہیں۔

۳) موضوع کا تیسرا اور اہم ترین پہلو سیرتِ طیبہ کی روشنی میں پہلے دونوں پہلوؤں سے متعلق جو راہنمائی ملتی ہے، اس کا مطالعہ کرنا مقصود ہے۔

مذکورہ بالا تینوں پہلوؤں میں سے "ابلاغ" ایک ایسا پہلو ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ انسان سے بھی قدیم تاریخ رکھتا ہے۔ قرآنِ کریم سے ہمیں اس امر کی گواہی ملتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانی کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں کو اپنے اس ارادے کا ابلاغ کرتے ہوئے فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔(۱)

"مَیں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ابلاغ یعنی دوسروں تک کوئی خبر یا اطلاع پہنچانا، اس کی تاریخ انسان کی پیدائش سے بہت پہلے کی ہے۔ اس سے ابلاغ کی اہمیت بھی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو چاہا کہ فرشتوں کو اپنے ارادے سے آگاہ کرے۔ اسی طرح انسان بھی جب کچھ سوچتا ہے تو اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو اس سے مطلع کرے۔ یوں انسان کی اس فطری سوچ نے انسانی معاشرے کے اندر ابلاغ کے عمل کو فروغ دیا۔ یہی چیز مروجہِ زمانہ کے ساتھ ترقی کرتے ہوئے ایک فن کی صورت اختیار کر گئی اور دنیا میں آج اس کی بہت سی صورتیں نظر آتی ہیں۔ ابلاغ کی مروّجہ صورتوں میں سے بعض کے معاشرتی اثرات کے حوالے سے، درد مند اور حساس طبقے میں سخت قسم کے تحفظات پائے جاتے ہیں، جو اپنی جگہ درست اور جائز ہیں۔ اس مقالے میں اُن تحفظات کا جائزہ لینا مقصود ہے تاکہ سیرتِ طیبہ ﷺ کی راہنمائی میں ہم ابلاغ کی جدید ترین اور مؤثر ترین صورتوں کے مضر اثرات سے معاشرے کو محفوظ کر سکیں۔

"ذرائع ابلاغ" دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ موضوع پر تفصیلی گفتگو سے قبل ان دونوں لفظوں کی لغوی تحقیق پر ایک نظر ڈال لی جائے تو بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔

ذرائع کی لغوی تحقیق: "ذرائع" کا واحد "ذریعہ" ہے۔ اس کا معنی "واسطہ" اور "وسیلہ" کے ہیں۔(۲)

ابلاغ کی لغوی تحقیق: " ابلاغ" عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ ب، ل، غ ہے، اسی سے ابلاغ اور تبلیغ بنا ہے۔ کوئی خبر یا اطلاع کسی تک پہنچانے کو "ابلاغ" کہا جاتا ہے۔(الابلاغ والتبلیغ) الایصال۔(۳)

ابلاغ اور تبلیغ دونوں کا معنی ایصال یعنی "پہنچانا" ہے۔ "ابلاغ" کے لیے انگریزی میں "Communication" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جو کہ لاطینی لفظ "Communicare" سے اخذ کیا گیا ہے۔

جس کا معنی "To Import, to transomit, to Share, to make common" ہیں۔

ابلاغ کی اصطلاحی تعریف: ابلاغیات کا شمار جدید عصری علوم میں ہوتا ہے۔ اس لیے قدیم علوم میں اس کی اصطلاحات یا بطور خاص ایک علم یا فن کے، اس کا اصطلاحی معنی ہمیں کہیں نہیں ملتا۔ البتہ انگلش لغات میں اس کی تعریف مختلف ماہرین نے اپنے اپنے انداز میں لکھی ہے۔ ذیل میں ان میں سے دو تعریفات پیش کی جاتی ہیں:

(i) Communication

"The act or process of using words, sounds, signs or behaviours to express or exchange, information or to express your ideas, thoughts, feelings, etc to some one alse."(۴)

"یعنی نظریات، خیالات یا محسوسات وغیرہ کو کسی دوسرے شخص کے سامنے الفاظ، آواز، علامات یا رویّوں کی شکل میں پیش کرنے کا عمل ابلاغ کہلاتا ہے۔"

(ii) The activity or process of expessing ideas and feelings or of giving people information. (۵)

"خیالات یا محسوسات دوسرے لوگوں کو پہنچانے کے عمل یا مرحلے کو، یا لوگوں تک معلومات پہنچانے کے عمل کو ابلاغ کہتے ہیں۔"

نفیس الدین سعدی ''ابلاغ'' کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

''ابلاغ اس ہنر یا علم کا نام ہے جس کے ذریعے کوئی شخص کوئی اطلاع، خیال، رویہ، جذبات کسی دوسرے شخص تک منتقل کرتا ہے۔''(٦)

ذرائع ابلاغ کی اہمیت:

ذرائع ابلاغ کی اہمیت و افادیت نہ صرف موجودہ دور میں بلکہ جب سے انسان نے اس گیتی کو اپنا مسکن بنایا ہے، اسی دَور سے مُسلّمہ چلی آرہی ہے۔ یوں گویا کہ انسانی معاشرت کے ساتھ ہی ذرائع ابلاغ کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ ابلاغ کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ ابلاغ، انسان اور انسانی معاشرہ کی اہم ضرورت ہے۔ اس کے بغیر معاشرہ آگے بڑھ ہی نہیں سکتا۔ ابلاغ کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کسی اہم جرم میں ملوث مجرم کو سخت سزا دینا مقصود ہو تو اسے قید تنہائی کی سزا دی جاتی ہے تا کہ وہ اپنے غلط قسم کے خیالات و نظریات کو کسی دوسرے تک نہ پہنچا سکے۔

ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ جو کچھ سوچتا ہے اور محسوس کرتا ہے، اس کی طبعی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس میں اپنے دوسرے ہم جنسوں کو شامل کرے۔ چنانچہ وہ اس کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح انسان کی اس فطری خواہش کی تکمیل نے ابلاغ کو جنم دیا۔ جس چیز کی وساطت سے اس نے دوسرے تک اپنے خیال و احساس کو پہنچایا اس کو'' ذریعۂ ابلاغ'' کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں بھی ابلاغ ہوتا تھا، مگر اس کا دائرہ اس قدر وسیع نہ تھا۔ جوں جوں سماج میں وسعت پیدا ہوتی گئی تو اس کے ساتھ علوم وفنون اور تہذیب و ثقافت بھی ترقی کی منزلیں طے کرتی گئی، تو اس کے ساتھ ہی ابلاغ کی اہمیت بھی بڑھتی چلی گئی نیز اس کے دائرے میں بھی وسعت پیدا ہوتی گئی۔

ذرائع ابلاغ کی اقسام:

کسی بھی انسان تک کوئی پیغام، خیال، احساس پہنچانے کے واسطہ یا وسیلہ کو ذریعہ ابلاغ کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ہم ذرائع ابلاغ کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(i) الوہی ذرائع ابلاغ (ii) انسانی ذرائع ابلاغ

ا۔ اُلوہی ذرائع ابلاغ:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ابلاغ کی ابتداء تو اسی وقت ہو چکی تھی جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے تخلیق آدم کے عزم وارادہ سے آگاہ کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس قادر مطلق نے کیا طریقہ اور ذریعہ اختیار کیا، اس کی تو کوئی تصریح نہیں کی گئی۔ البتہ ہبوطِ آدم کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نسل انسانی کی ہدایت کے سلسلہ کا آغاز کیا تو اس مقصد کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام و غیر انبیاء تک اپنا پیغام جن طریقوں سے پہنچایا، وہ تین طرح کے ہیں۔ جن میں وحی، الہام اور کشف شامل ہیں۔

(a)**وحی:** الوہی پیغام رسانی کا وہ ذریعہ جو صرف انبیاء و رسل علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور اس میں فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کا وسیلہ درمیان میں ہوتا ہے۔ چنانچہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام تک الوہی ہدایات کے ابلاغ کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ یوں انبیاء کرام نے جبرئیل امین علیہ السلام کے توسط سے احکامِ الٰہیہ اور ہدایاتِ ربّانیہ لے کر اپنی اُمتوں تک پہنچائے اور ان کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔

(b)**الہام اور کشف:** الوہی ذرائع ابلاغ میں سے الہام اور کشف دو ایسے ذرائع ابلاغ ہیں جو غیر انبیاء یعنی صلحاء و اتقیاء متبعین نبوی کے ساتھ خاص ہیں۔ وحی اور ان دونوں یعنی الہام اور کشف میں فرق یہ ہے کہ وحی کی پیروی ہر مکلف پر لازمی ہے۔ جب کہ مؤخّر الذکر کی پیروی ہر ایک پر لازمی نہیں۔ البتہ اگر یہ قرآن وسنت کے احکام و تعلیمات کے مطابق ہوں تو صاحبِ الہام و کشف پر اس پر عمل کرنا ضروری ہے باقی لوگ اس کے مکلف نہیں ہوں گے۔

۲۔ انسانی ذرائع ابلاغ:

ازمنہ قدیم کی انسانی معاشرت میں پیغام رسانی کے ذرائع کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے جن ذرائع ابلاغ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

i۔ اشارات:

قدیم دور کے یہ وہ ذرائع ابلاغ ہیں جن سے متعلق ہمیں قرآن مجید اور سیرت النبی 3 میں بھی واضح معلومات ملتی ہیں۔ جن سے ابلاغ و پیام رسانی میں ان کی اہمیت و افادیت سے آگاہی ہوتی ہے۔

مثلاً جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے کی عمر میں بیٹے (حضرت یحییٰ علیہ السلام) کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ یہ کیسے ہوگا؟ تو انہیں حکم دیا گیا:

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا۔(۸)

"یہ کہ آپ تین دن تک لوگوں سے کوئی بات نہ کریں مگر اشارے سے۔"

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بغیر باپ کے ولادت پر آپ کی والدہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا پر جب مخالفین نے اعتراض کیا تو انہوں نے معترضین کے اعتراض کا جواب دینے کی بجائے۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ۔(۹) "یعنی تو آپ نے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کی طرف اشارہ کر دیا۔"

سیّدہ مریم علیہ السلام کا اشارہ کرنا اپنے احساسات اور جذبات کا اظہار وابلاغ تھا۔

ii۔ خطوط:

قدیم زمانے میں اور اس جدید دور میں بھی اپنے خیالات یا کسی واقعہ کی اطلاع اور ابلاغ کا ایک معروف طریقہ خط نویسی بھی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکۂ بلقیس کے نام دعوتی خط ہمیں ملتا ہے۔ جس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ٥(۱۰)

"بے شک یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے جو بے حد رحم فرمانے والا، نہایت مہربان ہے۔ یہ کہ میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار بن کر میرے پاس آجاؤ۔"

iii۔ تقریر (خطاب، وعظ، نصیحت)

خیالات و احساسات کے ابلاغ کے لیے زبان کے ذریعہ تاریخ انسانی کے پہلے دن ہی سے ایک مسلّمہ طریقہ رہا ہے۔ بالخصوص حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم تک پیغامِ الٰہی پہنچانے کے لیے زبانی تقریر کرنے کا انداز ہر زمانے میں اپنایا ہے۔ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام نے رات، دن اور دھیمے انداز میں اور بلند آواز میں تقریر کی صورت میں لوگوں تک دعوتِ دین پہنچانے کا اہم ترین فریضہ سرانجام دیا۔ قرآنِ مجید میں اس کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا۔(۱۱)

"اُس نے کہا: اے میرے ربّ! بلاشبہ مَیں نے اپنی قوم کو رات اور دن بلایا۔"

ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا o ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا(۱۲)

"پھر بے شک میں نے انہیں بلند آواز سے دعوت دی، پھر بے شک میں نے انہیں کھلم کھلا دعوت دی اور میں نے انہیں چھپا کر دعوت دی، بہت چھپا کر۔"

iv۔ قاصد (سفیر)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے قاصد و سفیر ہی تھے جن کو اس ذاتِ حق نے دنیائے انسانی تک اپنی ہدایت و تعلیمات پہنچانے کے لیے مبعوث کیا۔ پھر اس سنتِ الٰہیہ کے مطابق بالخصوص حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیّد المرسلین محمد کریم ﷺ نے دعوتِ دین اور پیغامِ حق دوسرے لوگوں تک پہنچانے کے لیے بہت سے سفراء کو دوسرے قبائل اور قوموں کی طرف روانہ کیا جنھوں نے نبوی ہدایت کی روشنی میں بڑی جانفشانی کے ساتھ ابلاغِ دین کا فریضہ سرانجام دیا۔

مذکورہ ذرائع ابلاغ کا تعلق انسانی تاریخ کے اس دَور سے ہے جب ابھی سماج نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ جیسے جیسے انسانی شعور بڑھتا گیا اور اس میں باہمی روابط کے جذبات فروغ پانے لگے تو اس نے اس مقصد کے لیے نئے انداز اور طریقے اختیار کیے اور نئے ذرائع تلاش کرنے کی کوشش کی تو اس نے ایسی نئی چیزیں ایجاد کرلیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو دوسروں تک پہنچانے کا کام لینے لگا۔ تو یہ نو ایجادات اس کے لیے ذرائع ابلاغ کا کام دینے لگیں اور اس طرح مکانی فاصلے کم ہونا شروع ہوئے اور آپس میں روابط بڑھنے لگے۔ ایک نیا سماج اور نئی تہذیب وجود میں آنے لگی۔ انسان اپنے خیالات، احساسات اور جذبات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنے لگا۔ اس دَور میں جو کہ انیسویں صدی سے شروع ہوتا ہے اور بیسویں صدی تک پھیلا ہوا ہے، اس میں ابلاغ کے ذرائع میں اخبارات، رسائل، مجلات، کتب، پوسٹر، پمفلٹ، بینر وغیرہ شامل ہیں۔ ان کو "پرنٹ میڈیا" کہا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ موجودہ دَور کے ذرائع ابلاغ میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلم، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ٹیلی فون، موبائل یہ سب "الیکٹرانک میڈیا" کہلاتے ہیں۔ بالخصوص ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ آج کے دَور کے مقبول ترین اور مؤثر ترین ذرائع ابلاغ ہیں۔

ذرائع ابلاغ کا موجودہ کردار:

ذرائع ابلاغ کی ایجاد میں پس پردہ مقاصد پر اگر غور کیا جائے تو بنیادی طور پر ان کے جو مقاصد ہمارے سامنے آتے ہیں وہ تو باہمی رابطہ اور ایک دوسرے تک خیالات اور معلومات پہنچانا تھا۔ مگر شومئ قسمت کہ جیسے جیسے ذرائع ابلاغ ترقی کرتے چلے گئے، اچھے اور عمدہ مقاصد نظروں سے اوجھل ہوتے چلے گئے۔ آج اکیسویں صدی میں یہ ذرائع ابلاغ جو کردار ادا کر رہے ہیں اور جس انداز سے کر رہے ہیں، اس نے معاشرے کے ہر سنجیدہ فکر اور سلیم الطبع شخص کو پریشان کر رکھا ہے۔ آج کے ذرائع ابلاغ کا کردار اگر لفظوں میں بیان کیا جائے تو یہ صورت حال سامنے آتی ہے کہ:

* معاشرے میں اخلاقی بے راہ روی کا فروغ
* خوف وہراس اور سنسنی خیزی
* نقطۂ نظر کا اختلاف رکھنے والوں کی تضحیک
* احکامِ دینیہ کا مذاق اڑانا
* صنفِ نازک کی تقدیس کی پامالی
* اسلامی تہذیب وثقافت کی بجائے مغربی تہذیب وثقافت کا فروغ
* مخالفین کی کردار کشی اور الزام تراشی
* جرائم کی تشہیر بصورت فلم وڈرامہ
* رقص وسرود اور حیاء سوز مناظر کی تشہیر
* معمولی سے معمولی باتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور اس طرح معاشرے میں عدم استحکام پیدا کرنا۔
* الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا، موجودہ دَور میں دین اور دنیا میں علیحدگی کے مغربی نظریہ کو پروان چڑھانے میں، بلکہ اس دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں، ان کی یہ بھی شعوری کوشش ہے کہ اسلام کو ایک مکمل نظامِ زندگی کی بجائے اسے محض چند مذہبی عبادات ورسومات کے مجموعہ کے طور پر پیش کیا جائے تاکہ معاشرے کا دینی تشخص ختم ہو جائے۔
* سیاسی وسماجی، ملکی وبین الاقوامی مسائل تو پوری قوم کے مشترکہ مسائل ہیں۔ مگر ”دین ومذہب ایک ذاتی مسئلہ ہے“ کے تصور کو روز بروز بڑھا چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے۔

* اسلامی فکر کی حامل قوتوں اور شخصیتوں کو خود ساختہ روشن خیال نظریات کی رجعت پسند اور قدامت پرست ایسی غیر مہذب اصطلاحات کے ذریعے بدنام کرنے کی سعی مذموم کرنا۔

* اسلام کے وہ امتیازی و انفرادی احکام مثلاً مختلف جرائم کی سخت ترین سزائیں، عورتوں کے لیے حجاب، مرد وزن کا غیر ضروری اختلاط وغیرہ کی مخالفت جو مغربی تہذیب کے دلدادہ اور جدید ذہن کے حامل لوگوں کو قابل قبول نہیں ہیں، ان کے حوالے سے معاشرے کے عام وخاص لوگوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں اور ان پروگراموں میں بالخصوص مغرب اور مغربی تہذیب سے مرعوب دانشوروں کے ذریعہ جو قرآن وحدیث کو اپنی تجدد پسندی کا جامہ پہنا کر اس آڑ میں مغربی افکار و نظریات کی تخم ریزی کا غیر ملکی فریضہ سرانجام دیتے نظر آتے ہیں۔

* اسلامی و پاکستانی ثقافت کی بجائے ہندووانہ ثقافت کی تشہیر کرنا۔

* لادینیت کی فکر کو شعوری طور پر پروان چڑھایا جارہا ہے۔

* مادہ پرستانہ سوچ کو فروغ دیا جارہا ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں محروم اور پسے ہوئے طبقات میں احساسِ محرومی پیدا ہونے کے علاوہ روز بروز اس میں اضافہ بھی ہورہا ہے اور یوں معاشرے میں جرائم میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔

* مخرب الاخلاق فلموں اور ڈراموں کے ذریعہ اخلاق سوز مناظر کی تشہیر

* الیکٹرانک میڈیا پر بعض پروگراموں میں غیر شائستہ الفاظ اور جملوں کا استعمال بھی روز کا معمول ہے۔

* الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا (ٹیلی ویژن اور اخبارات ورسائل) میں بعض شخصیات پر تنقید برائے اصلاح کی بجائے تنقید برائے تنقید کا منظر پیش کرتی ہے۔

* جرائد ورسائل پرنٹ میڈیا کے زمرے میں آتے ہیں، یہ بات بڑی تکلیف دہ ہے کہ بعض مذہبی رسائل میں اُمتِ مسلمہ کے مسلمہ افکار وعقائد اور معمولات کے حوالے سے فرقہ واریت کو ہوا دے کر معاشرے میں عملاً اختلافات اور انتشار پیدا کیا جاتا ہے۔

* میڈیا پر مخصوص نظریات لکھتے ہوئے کفر وشرک کے فتوے دیئے جاتے ہیں اور سادہ لوح مسلموں کے ذہنوں کو پراگندہ کیا جاتا ہے۔ جس سے ملک میں مذہبی انارکی اور انتہا پسندی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

ذرائع ابلاغ کا مطلوبہ کردار:

مذکورہ بالا سطور میں ذرائع ابلاغ، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ان پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جس کے کسی بھی حوالے سے معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک اسلامی مہذب اور سنجیدہ معاشرے میں ذرائع ابلاغ کا کردار کیا ہونا چاہیے کہ جس کے ذریعہ سے ایک مہذب معاشرہ تشکیل پا سکے، ایک ایسا معاشرہ جو اخوتِ باہمی، امن و سلامتی، تحمل و برداشت، ایثار و محبت، رواداری اور باہمی احترام جیسی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا عملی نمونہ پیش کرنے والا ہے۔ ایسے معاشرے کی تشکیل کے لیے ذرائع ابلاغ کا جو کردار مطلوب ہے، اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

* الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے تمام ادارے ہمیشہ اس احساس کو سامنے رکھیں کہ وہ ایک اسلامی ملک اور اسلامی معاشرے کے فرد ہیں، اس لیے اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے وہ اسلامی اقدارِ حیات کو بہر صورت پیش نظر رکھیں تاکہ ایک اسلامی معاشرے میں اسلامی حدود پامال نہ ہونے پائیں۔

* جرائم کے مناظر اگرچہ ان کے انسداد اور قانونی کارروائی کے لیے نشر یا اخبارات میں شائع کیے جاتے ہیں مگر ہمارے معاشرے میں ایسے سفلہ سنج لوگوں کی کمی نہیں جو ایسے مناظر سے جرائم کرنے پر جری ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ایسے مناظر نشر کرنے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے جس سے معاشرے میں جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی ہو اور جرائم بڑھنے کا اندیشہ ہو۔

* بعض اوقات ایسی خبریں شائع اور نشر کی جاتی ہیں جن سے پورے ماحول میں سنسنی پھیل جاتی ہے اور یوں خوف کی فضا معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس لیے ذرائع ابلاغ کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ سنسنی خیز خبروں کو نشر کرنے سے پرہیز کریں تاکہ افرادِ معاشرہ بے خوف و خطر اپنے معمول کے مطابق امورِ زندگی سرانجام دے سکیں۔

* بہت سے چینلز پر نشر ہونے والے ٹاک شوز میں بالعموم ایک دوسرے پر تنقید کرتے ہوئے یا اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے اس سے اختلاف رکھنے والوں کو اس طرح ہدف بنایا جاتا ہے کہ جس سے اپنوں کی معاشرتی عزت پر براہِ راست حملہ کیا جاتا ہے۔ یہ طرزِ تنقید کسی طور پر بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح ذرائع ابلاغ کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ بحث و مباحثہ میں کسی بھی شخص کی

عزتِ نفس کو مجروح ہونے سے بچائیں اور شرکاءِ بحث کو صحافتی اخلاقی ضابطہ کے اندر رہنے کا پابند بنائیں تاکہ معاشرے کا ہر فرد عزت واحترام کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

* اخبارات کے بعض کالموں میں مخالف نقطۂ نظر رکھنے والی شخصیات کا ذکر انتہائی غیر سنجیدہ، غیر مہذبانہ اور عامیانہ انداز میں کیا جاتا ہے، کہ جس سے فریقِ ثانی کی تذلیل و تحقیر کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ ان کو اس بات پر نظر ثانی کرنا چاہیے تاکہ مخالف وموافق ہر شخص کی عزت کو محفوظ کیا جاسکے۔

* ذرائع ابلاغ کی بنیادی ذمہ داریوں میں یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی خبر کو نشر کرنے یا شائع کرنے سے پہلے واقعات کی پوری تحقیق کر لیں تاکہ وہ معاشرہ غلط، غیر واقعی اور خلاف حقائق خبر کے بُرے اثرات سے محفوظ رہ سکے۔

* حکومت اور عوام دونوں کا تعلق وطن عزیز پاکستان سے ہے، اس لیے الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کی ذمہ داری ہے کہ وہ اچھے کاموں کی تائید کریں اور مثبت طریقے سے اسے عوام تک پہنچائیں جب کہ حکومت کے غلط طریق کار، نظام اور غلط پالیسی پر تنقید برائے اصلاح کا اہم ترین فریضہ سرانجام دے۔

* میڈیا کے اداروں کے مالکان کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ محض حصولِ دولت کے مطمع نظر کی بجائے ملک و قوم اور دین و مذہب کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر ایسے رفقاء کار اور کارکنوں کا انتخاب کریں جو علمی، اخلاقی اور معاشرتی طور پر اعلیٰ کردار اور اچھی شہرت رکھتے ہوں، اس سے ان کے ادارے کی نیک نامی میں بھی اضافہ ہو گا۔

* ہمارا پورا معاشرہ اس وقت عملی طور پر مسائلستان بنا ہوا ہے۔ ہمیں انفرادی زندگی سے لے کر قومی سطح تک بہت سے معاملات نے گھیر رکھا ہے۔ اس بنیاد پر سنجیدہ فکر طبقہ کرب میں مبتلا اور پریشان ہے۔ وہ ان مسائل کا حل چاہتا ہے مگر اسے کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ ایسے میں ہمارے قومی ذرائع ابلاغ ٹیلی ویژن اور اخبارات کی ذمہ داری اَور بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنا مثبت اور عملی کردار ادا کریں۔ مختلف شعبہ جاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین علم اور اصحابِ فکر و دانش کے علم و تجربہ اور مشاہدہ سے استفادہ کرتے ہوئے موجودہ معاشی، معاشرتی، سماجی، جسمانی، روحانی، تعلیمی، فنی مسائل سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے مستند اور قابل عمل حل پیش کریں تاکہ قوم ان مسائل سے نجات پا کر ترقی کی منازل طے کر سکے۔

* ہمارا ملک اور معاشرہ ایک کثیر القومی معاشرہ ہے جو مختلف اقوام کے اجتماع سے وجود پذیر ہے۔ یہ قومیں مختلف مذاہب سے وابستہ ہیں۔ اس طرح ہر قوم کی مذہبی و سماجی رسومات ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں۔ اسی طرح یہ معاشرہ کثیر المسلکی معاشرہ بھی ہے۔ ہر مسلک کی اپنی روایات اور اپنی تہذیبی شناخت ہے۔ اس لیے ایسے ماحول میں ذرائع ابلاغ سے جو کردار مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسے پروگرام نشر کریں اور پرنٹ میڈیا ایسا مواد شائع کرے کہ جس سے ملک میں بسنے والی مختلف مذاہب کی حامل قوموں کے درمیان باہمی رواداری، برداشت اور محبت کے جذبات کو فروغ دے اور عداوت و منافرت کے ماحول کی حوصلہ شکنی ہو اور معاشرے کے اندر بسنے والے مختلف نظریات رکھنے والے لوگ ایک گلدستہ کی صورت باہم مل کر پورے ماحول کو معطر کر سکیں۔

* ذرائع ابلاغ سے مطلوبہ کردار کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنے پروگراموں کے ذریعہ عوام الناس کو دنیا میں ہونے والی ترقی اور اس کی بنیادوں سے آگاہ کریں۔ روز بروز تیزی کے ساتھ بدلتی ہوئی صورتِ حال، اس کے وجوہ واسباب اور بین الاقوامی تمدن پر ہونے والے اثرات سے آگاہ کریں، تاکہ قوم کے افراد گلوبل دنیا کے حالات سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

* یہ دَور علمی ترقی اور سائنسی ایجادات کا دَور ہے۔ انٹرنیٹ کی ایجاد نے فاصلوں کو مٹا دیا ہے۔ یوں پوری دنیا ایک ویلج (Village) کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ وہ زمانہ بیت چکا جب کسی محقق عالم کو کسی کتاب یا حوالہ کے لیے میلوں کا سفر طے کرنا پڑتا تھا اور بعض اوقات پھر بھی کامیابی حاصل نہ ہوتی تھی۔ مگر آج انٹرنیٹ علمی معلومات اور حوالہ جات کا ایک ایسا تیز رفتار ذریعہ ہے کہ ہر علم و فن پر ہزاروں کتب محض ایک اشارہ کے فاصلہ پر شائقین کے مطالعہ کی منتظر ہیں۔ اس لیے ذرائع ابلاغ قوم کی علمی تربیت اور نئے نئے علمی نظریات و تحقیقات سے آگاہی کے لیے ایک مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ میڈیا اور ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع کا یہ پہلو بہت تشنہ ہے۔

* پاکستان اور پوری اُمتِ مسلمہ کو اس وقت اپنی بقا اور ترقی کے لیے بین الاقوامی سطح پر بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے۔ اسلام دشمن اور پاکستان مخالف ساری قوتیں متحد ہو چکی ہیں۔ یہود ہنود پوری قوت کے ساتھ اُمتِ مسلمہ کو ختم کرنے یا اس کو کمزور سے کمزور تر کرنے کے لیے نئی نئی منصوبہ بندی کرتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر ہر وقت پاکستان کے سر پر خطرات منڈلاتے رہتے ہیں۔

ان حالات میں ذرائع ابلاغ سے بجا طور پر اس کردار کی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے پروگراموں کے ذریعہ قوم کے اندر یکجہتی کے جذبات کو فروغ دے۔ مستقبل کے خدشات اور اُن سے نکلنے کے لیے ممکنہ تدابیر سے آگاہ کرے۔ تاکہ اسلام، مسلمانوں اور پاکستان کے دشمنوں کے عزائم کو خاک میں ملایا جاسکے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ موجودہ دَور میں اپنا پیغام، احساسات، جذبات دوسروں تک پہنچانے اور تشہیر وپروپیگنڈا کے لیے موجودہ ذرائع ابلاغ ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کی تیز رفتاری اور اثرپذیری کا مقابلہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے میڈیا اور ذرائع ابلاغ سے وابستہ ہر فرد کو اپنے فرائض مثبت انداز میں نبھانے کے لیے تعمیری سوچ اور جذبہ حب الوطنی کے پاکیزہ جذبات کے ساتھ آگے بڑھنا ہو گا اور اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو قوم کے اندر خرابیٔ بسیار کے یہ سب سے زیادہ ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے۔

سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں ذرائع ابلاغ کی ذمہ داریاں:

ابلاغ کی اہمیت، جدید ذرائع ابلاغ اور موجودہ دور میں ان کے کردار اور معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات سے آگاہی کے بعد اب ہم اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان حالات میں سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ذرائع ابلاغ کی کیا ذمہ داریاں ہیں کہ جن کو پورا کرتے ہوئے ان جدید ذرائع ابلاغ سے کماحقہ فائدہ اٹھا کر ایک مثالی اسلامی فلاحی معاشرہ تشکیل دے سکیں۔ تاکہ دنیا کے دیگر معاشروں میں اسلامی معاشرے کا چہرہ روشن تر صورت میں نمایاں ہو کر سامنے آئے۔

سیرتِ طیبہ ﷺ سے راہنمائی لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ابلاغ وہ قوتِ متحرکہ ہے جس سے دنیا کے مختلف معاشروں میں سیاسی، مذہبی، ثقافتی، علمی، تہذیبی اور تمدنی انقلاب رونما ہوتے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ آج جس زوال وانحطاط کا شکار ہے اس کا نمایاں ترین پہلو اخلاقی وروحانی اقدار کا زوال ہے اور اس زوال سے نکلنے کے لیے اسوۂ رسول ﷺ سے بڑھ کر اور کوئی نسخہ کارآمد نہیں ہو سکتا۔ معاشرتی تعمیر اور کردار سازی کے لیے قرآن مجید اور سنتِ نبوی کے عطا فرمودہ اصولِ حیات اور اصولِ دعوت وابلاغ کا مقابلہ ساری دنیا بھی مل کر نہیں کر سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید اور اپنے ارشادات کی صورت میں ابلاغیات اور اس شعبہ سے وابستہ افراد صحافیوں کے لیے جو ضابطۂ اخلاق بیان کیا ہے اس کے اہم ترین اور روشن و نمایاں پہلوؤں میں آزادیٔ تحریر و تقریر، ظلم کے خلاف احتجاج کا حق، فتنہ پروری سے

احتراز، جھوٹی افواہیں پھیلانے سے اجتناب، تحفظِ آبرو کا حق، نجی زندگی کا تحفظ، عریانی و فحاشی کا انسداد، مذہبی دل آزاری سے گریز، خود احتسابی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، صدق و سچائی کا فروغ، حریتِ فکر کی آزادی، اسلام مخالف ملحدانہ نظریات کا انسداد، افراد کی اخلاقی و روحانی کردار سازی، ظالم کو ظلم سے روکنا، کمزوروں کی دادرسی اور حکمت و موعظ حسنہ ایسے سنہری اصول شامل ہیں۔ آئندہ سطور میں انہی اصولوں پر بقدرِ ضرورت روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ا۔ بلا تحقیق بات سے اجتناب:

ابلاغ کے حوالے سے اسلام کا یہ بنیادی اور مسلمہ اصول ہے کہ کوئی خبر بغیر تحقیق کے آگے نہ پھیلائی جائے کیونکہ جھوٹی اور غیر مصدقہ افواہوں سے معاشرے کے اندر بعض اوقات ایسے مضر اثرات پڑتے ہیں کہ جس سے معاشرتی امن و سکون ختم ہو جاتا ہے اور لوگوں کے اندر تفرقہ و انتشار پھیل جاتا ہے اور امت کی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ واقعہ افک میں یہی تو ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:

اِذْ تلقّونہ بالسنکم و تقولون بافواہکم ما لیس لکم بہ علم و تحسبونہ ہیّنا و ہو عند اللّٰہ عظیم۔(۱۳)

"اور جب تم اس (بات) کو (ایک دوسرے سے سن کر) اپنی زبانوں پر لاتے رہے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہتے رہے جس کا (خود) تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا اور اس (چرچے) کو معمولی بات خیال کر رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے حضور بہت بڑی (جسارت ہو رہی) تھی۔"(۱۴)

چونکہ جھوٹی خبروں کے معاشرے پر بُرے اثرات پڑتے ہیں اس لیے قرآن مجید نے مُخبر (خبر دینے والے) کے حوالے سے یہ ہدایت دی ہے کہ:

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنباٍ فتبیّنوا ان تصیبوا قومًا بجھالۃ فتصبحوا علیٰ مافعلتم نٰدمین۔(۱۵)

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (شخص) کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تم کسی قوم کو لاعلمی میں (ناحق) تکلیف پہنچا بیٹھو۔ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے رہے جاؤ۔"(۱۶)

اس آیتِ کریمہ پر بحث کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ (م ۱۹۹۹ء) لکھتے ہیں:

”ہر سوسائٹی میں ایسے سفلہ مزاج لوگ ہوتے ہیں، جن کا محبوب مشغلہ بے پَر کی اُڑانا اور غلط افواہیں پھیلانا ہوتا ہے۔ ایسی افواہیں خاندانوں، قبیلوں، بسا اوقات قوموں کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑی سختی سے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرما رہا ہے۔ خبردار! اگر کوئی فاسق اور بدکار تمہارے پاس کوئی اہم خبر لے کر آئے تو اس کو فوراً قبول نہ کیا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جھوٹ بک رہا ہو اور تم اس کی جھوٹی خبر سے مشتعل ہو کر کوئی ایسی کارروائی کر بیٹھو جس پر خوفناک نتائج مرتب ہوں اور پھر تم ساری عمر فرطِ ندامت سے کفِ افسوس ملتے رہو۔ اس لیے جب کوئی خبر تمہارے کانوں تک پہنچے تو اس کو بے تحقیق تسلیم کر لینا قطعاً قرینِ دانش مندی نہیں ہے۔ پہلے اچھی طرح اس کی چھان پھٹک کر لو اور پھر مناسب قدم اٹھاؤ۔“ (۱۷)

۲۔ نجی زندگی کا تحفظ:

یہ ایک بین الاقوامی اور مسلمہ اصول ہے کہ ہر شخص کو مکمل رازداری کے ساتھ نجی اور ذاتی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے، جب تک کہ اس کا کوئی فعل اسلامی ریاست اور معاشرے کے اجتماعی مفاد کے خلاف نہ ہو۔ میڈیا سے وابستہ کچھ افراد اپنے شعبہ کے تقدس کو پس پشت کرتے ہوئے اس مسلمہ اخلاقی و قانونی اصول کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں اور اظہارِ رائے کی آزادی کے خود ساختہ تصور کی آڑ میں شخصیات کے ساتھ نظریاتی اختلاف رکھنے کی وجہ سے ذاتیات پر اُتر آتے ہیں، اور پھر ٹیلی ویژن کی سکرین پر بیٹھ کر ذاتی اور نجی زندگی پر اس قدر غیر شائستہ انداز میں حملے کیے جاتے ہیں کہ اس پر انسانیت تڑپ جاتی ہے۔ کسی کی ذاتی زندگی کو متنازع انداز میں موضوعِ بحث بنانا تو ایک طرف رہا، قرآن مجید نے کسی کے گھر کی چار دیواری میں بغیر اجازت لیے داخل ہونے سے بھی منع کیا ہے، تاکہ گھروں کے اندرونی احوال بھی پردہ اخفاء میں رہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی واضح ہدایت ملاحظہ ہو:

فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَداً فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۔ لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ۔ (۱۸)

”اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو۔ یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر (

نصیحت) ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کرو۔ پھر اگر تم ان (گھروں) میں کسی شخص کو موجود نہ پاؤ تو تم ان کے اندر مت جایا کرو یہاں تک کہ تمہیں (اس بات کی) اجازت دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس پلٹ جایا کرو، یہ تمہارے حق میں بڑی پاکیزہ بات ہے اور اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو، خوب آگاہ ہے۔"

یہ ہے اسلام کے اندر نجی زندگی اور معاملات کے تحفظ کا وہ تصور جس کو بدقسمتی سے اظہارِ رائے کی آزادی کے تصور کی آڑ میں پامال کیا جاتا ہے، اور معاشرے کے بعض افراد کی خاندانی اور گھریلو زندگی کو موضوعِ بحث بنا کر انسانیت کے وقار کا جنازہ نکالا جاتا ہے اور اس کو آزادی صحافت کا نام دیا جاتا ہے۔ اسلام اس قسم کی آزادی کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے برعکس اسلام ستر پوشی اور عیب پوشی کی تعلیم دیتا ہے۔ مربّی اعظم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔(۱۹)

"جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔"

۳۔ کھوج لگانے کی ممانعت:

بلاوجہ کسی بھی شخص چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، کے ذاتی معاملات کی کھوج لگانے اور کریدنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید بڑی واضح ہدایت فرماتا ہے:

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۔(۲۰)

"اور (کسی کے عیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو۔"

کسی کے معاملاتِ زندگی کی کرید کرنا اور اس کی عدم موجودگی میں برائی بیان کرنا اس قدر قبیح ہے کہ قرآن مجید اس عمل کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کرتا ہے:

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (۲۱)

"کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس سے نفرت کرتے ہو اور (ان تمام معاملات میں) اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ توبہ کو بہت قبول فرمانے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔"

۴۔ بدگمانی سے بچنے کی تعلیم:

کسی کی نجی زندگی کی ٹوہ لگانا تو ایک طرف، اسلام تو کسی بھی فرد کے بارے میں بدگمانی کی بھی اجازت نہیں دیتا، چہ جائیکہ ذرائع ابلاغ نقطۂ نظر کا اختلاف رکھنے والے پر کیچڑ اچھالا جائے۔ قرآن مجید واضح طور پر فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ۔(۲۲)

"اے ایمان والو! زیادہ گمانوں سے بچا کرو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (جن پر اخروی سزا واجب ہوتی ہے)۔" (۲۳)

۴۔ احترامِ انسانیت:

سیرتِ طیبہ سے ہمیں احترامِ انسانیت کا درس ملتا ہے۔ انسان ہونے کے ناطے ہر شخص لائق عزت و احترام ہے۔ اسلام نے اس سلسلہ میں امیر و غریب، گورے و کالے، چھوٹے و بڑے، عالم اور جاہل، عورت اور مرد، اپنے اور پرائے کا کوئی فرق و امتیاز برقرار نہیں رکھا۔ ہر انسان کا اپنا مقام اور حیثیت ہے، جس کا لحاظ و پاس رکھنا ہر کسی کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید بڑی واضح ہدایات دیتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاء مِّن نِّسَاء عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (۲۴)

"اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ ان (تمسخر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں اُن (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں اور نہ آپس میں طعنہ زنی الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو، کسی کے ایمان (لانے) کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی بُرا نام ہے۔ اور جس نے توبہ نہیں کی سو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

انسان کی عزت و حرمت کتنی ہی؟ اس کا اندازا اس ارشاد نبوی ﷺ سے لگایا جا سکتا ہے:

كل المسلم على المسلم حرام عرضه و ماله و دمه۔(۲۵)

ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت (کی پامالی) اس کا مال اور اس کا خون حرام ہے۔"

مسلمان کی تعریف:

مسلمان کون ہے؟ اس کی تعریف زبان رسالتِ مآب ﷺ سے ملاحظہ ہو اور پھر فیصلہ کریں کہ آج کا میڈیا اور اس کے ارباب بست و کشاد کیا اس پر پورا اترتے ہیں؟ فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہٖ ویدہ و المؤمن من أمنہ الناس علی دماءھم و اموالھم۔(۲۶)

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کی جانیں اور مال محفوظ ہوں۔"

ایک اور ارشاد نبوی ملاحظہ ہو:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا و یعرف شرف کبیرنا۔

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی قدر و منزلت نہ پہچانے۔"

مذکورہ دونوں ارشادات میں ہر مدعی اسلام کے لیے یہ درس اور راہنمائی ہے کہ آپ ﷺ کی نگاہِ مبارک میں مسلمان اور مومن وہی شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں، جو بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کرنے والا ہو۔

ان ارشاداتِ نبویہ کی روشنی میں اگر ارباب میڈیا اور ہم تمام لوگ اپنی زندگیوں پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ہم باہمی احترام اور اخلاق کے کس مقام پر کھڑے ہیں۔ ہم نے بہتان و الزام تراشی کا نام حق گوئی رکھ کر الفاظ و معانی کی افادیت کو بھی مشکوک بنا دیا ہے۔ ہمارے ہاں سیاست و صحافت میں یہ رَوش خوش آئند نہیں ہے۔

۵۔ کتمانِ حق کی ممانعت:

ابلاغ عامہ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم ﷺ نے ہمیں جو سنہری اصول عطا فرمائے ہیں، ان میں ایک اہم ترین اصول یہ بھی ہے کہ حق اور باطل میں آمیزش نہ کی جائے بلکہ ہر صورت میں حق کو واضح کیا جائے اور باطل کا بطلان ظاہر کیا جائے۔ ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

ولا تلبسوا الحق بالباطل و تکتموا الحق و انتم تعلمون۔(۲۸)

"اور حق کی آمیزش باطل کے ساتھ نہ کرو اور نہ ہی حق کو جان بوجھ کر چھپاؤ۔"

۶۔ شہادتِ حق کو چھپانا گناہ:

صحافی کی خبر یا اطلاع قانونی اعتبار سے شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لیے اس کے دو پہلو بنتے ہیں۔ ایک پہلو یہ کہ اگر فی الواقع میں وہ وقوعہ یا معاملہ درست اور مبنی بر واقعہ ہے تو اس کی خبر دینا صحافی کی طرف سے حق کی شہادت ہے۔ اس صورت میں اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے مفادات اور امتیازات سے بالاتر ہو کر حق کو بیان کرے اور اس کے کسی پہلو کو پوشیدہ نہ رکھے۔ اگر اس نے حق جانتے ہوئے اس کو چھپایا تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نگاہ میں گناہ ہے۔ اسلام کے اصولِ شہادت کے اس پہلو کو واضح کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

و اقیموا الشھادۃ للّٰہ۔(۲۹) ”اور گواہی اللہ کے لیے قائم کیا کرو۔“

مطلب یہ کہ گواہی دیتے ہوئے کوئی لالچ، مفادات یا کسی کی محبت یا کسی قسم کا ڈر تمہیں گواہی دینے سے نہ روکے، نہ غلط بیانی کرنے دے بلکہ تم خالص اللہ کا حکم جان کر اور اس کی رضا کے طالب ہو تے ہوئے سچی گواہی دو۔

ولا تکتموا الشھادۃ و من یکتمھا فانّہ اٰثمٌ قلبہ و اللّٰہ بما تعملون علیمٌ۔(۳۰)

”اور تم گواہی کو چھپایا نہ کرو اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گناہگار ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔“

میڈیا سے وابستہ افراد اس اعتبار سے کہ وہ مسلمان بھی ہیں اور پاکستانی معاشرے کے ذمہ دار اور باشعور شہری بھی ہیں، اس لیے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہب اور شعبہ کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے محض رضائے الٰہی کے لیے حقائق کو منظر عام پر لائیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ صحافی کی خبر اگر خلافِ واقعہ اور غلط ہے تو پھر یہ تہمت اور جھوٹا الزام ہے، تو سیرتِ طیبہ ﷺ کسی بھی شخص بالخصوص مسلمان کو ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے کسی بھائی کی پگڑی اُچھالے، اس پر ذاتی حملے کرے اور اس کی شہرت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ یہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے اور ایسا عمل کسی بھی مسلمان کی شایانِ شان نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کل المسلم علی المسلم حرام دمه و ماله و عرضه۔(۳۱)

”ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت (و آبرو کو پامال کرنا) حرام ہے“

مزید ارشاد نبوی ﷺ ملاحظہ ہو۔ فرمایا:

المسلم اخوا المسلم لا یظلمه و لا یخزله و لا یحقر۔(۳۲)

”مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر نہ تو ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے۔“

۷۔ فحاشی اور بے حیائی سے گریز:

اس وقت ہمارا پاکستانی معاشرہ فحاشی و بے حیائی کی علمبر دار ثقافتی یلغار کی زد میں ہے۔ مختلف چینلز، ویڈیو فلمیں، انٹرنیٹ اور موبائل وغیرہ نے ہمارے معاشرے سے اسلامی، اخلاقی، انسانی اور باوقار سماجی اقدار کو دیس نکالا دے دیا ہے۔ حالانکہ جب ہم قرآن مجید اور سیرتِ طیبہ ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں فحاشی و بے حیائی کا ارتکاب کرنے یا اس کے پھیلاؤ میں ملوث ہونے کے حوالے سے بڑی سخت وعیدات ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو آخری ضابطۂ حیات میں مختلف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے تاکہ انسان ان سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور رسولِ مکرم ﷺ کی نافرمانی سے ڈرے۔ اس سلسلہ میں چند آیاتِ قرآنیہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

”اے اولادِ آدم! (کہیں) تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے، جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا، ان سے ان کا لباس اتروا دیا تاکہ انہیں ان کی شرمگاہوں میں دکھا دے۔ بے شک وہ (خود) اور اس کا قبیلہ تمہیں (ایسی جگہوں سے) دیکھتا (رہتا) ہے۔ جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو ایسے لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔“ (۳۳)

اس تصور کو واضح کرتے ہوئے دوسرے مقام پر فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ۔(۳۴)

”اے ایمان والو! شیطان کے راستوں پر نہ چلو اور جو شخص شیطان کے راستوں پر چلتا ہے تو وہ یقیناً بے حیائی اور برے کاموں (کے فروغ) کا حکم دیتا ہے۔“

وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْن۔إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاء وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُون۔(۳۵)

”اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، وہ تمہیں بدی اور بے حیائی کا ہی حکم دیتا ہے۔“

ایک اور جگہ پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے:

ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا و ما بَطَنَ۔(۳۶)

”اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ(خواہ) وہ ظاہر ہوں اور (خواہ) وہ پوشیدہ ہوں۔“

فحاشی و بے حیائی کو فروغ دینے والوں کو دردناک سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

أَن تَعْتَدُواْ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيْدُ الْعِقَاب۔(۳۷)

”بے شک جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ (ایسے لوگوں کے عزائم کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

۸۔ نیکی کے فروغ میں تعاون کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے جہاں گناہ اور بے حیائی کے کاموں اور اس کو فروغ دینے سے روکا ہے اور اس کو شیطان کے نقش قدم پر چلنا قرار دیا ہے، وہاں معاشرے میں خیر، بھلائی، نیکی اور حسنات کو پھیلانے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کا بھی حکم دیا ہے تاکہ معاشرے میں ”نیک بنو اور نیکی پھیلاؤ“ کے پاکیزہ اور قابل تقلید احساسات و جذبات پنپ سکیں اور ایک ایسا صالح فرد وجود میں آسکے جو سراپا خیر ہی خیر ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا:

و تعاونوا علی البرّ و التقوٰی ۔(۳۸)

”اور نیکی اور پرہیز گاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔“

۹۔ برائی کے فروغ میں تعاون کی ممانعت:

نیکی اور خیر کو عام کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا حکم دینے کے ساتھ ہی اس کے

مقابل اور اس کی ضد یعنی برائی کو پھیلانے اور اس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے سے بھی منع کر دیا تا کہ کسی کے پاس حجت نہ رہے کہ نیکی کا حکم تو دیا ہے مگر برائی سے منع نہیں کیا، لہٰذا برائی کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اس لیے ”تعاونوا علی البر“ کے ساتھ ہی گناہ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے سے منع فرمادیا کہ:

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۔(۳۹)

”اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔“

معروضی عصری حالت میں یہ ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے کہ صحیح یا غلط کی بحث میں پڑے بغیر مختلف افکار و نظریات اور امور کو پھیلانے اور افرادِ معاشرہ کے مجموعی ذہن کو تبدیل کرنے، اس کے کردار و عمل کی تشکیل میں میڈیا اس کی خواہ کوئی بھی شکل وصورت ہو، موجودہ دور میں کوئی دوسرا ذریعۂ ابلاغ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے بالخصوص میڈیا سے وابستہ افراد اور معاشرے کے تمام طبقات سے تعلق رکھنے والے باشعور لوگوں کی یہ اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ ان جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ افرادِ معاشرہ بالخصوص نژادِ نو کے سامنے ایسا عمل اور مواد پیش کریں جس سے ایک نیک طینت، باکردار، دیانت دار، تحمل وبرداشت کا علمبردار، اخوت و محبت کا پیکر، با اصول، ایثار و قربانی کا عملی نمونہ اور اخلاق و مروت کا مجسمہ، شرافت وصداقت کا خوگر، ہمدردی وغم خواری ایسی خوبیاں رکھنے والا نیک سیرت انسان سامنے آسکے اور وہ انسانیت کے لیے باعثِ فخر قرار پائے۔ نبی اکرم 3 کا ارشادِ گرامی ہے کہ نیک عمل کی بنیاد رکھنے والے کو اس عمل کا ثواب ملتا رہے گا جب تک لوگ اس پر عمل کرتے رہیں گے، اور برے عمل کو رواج دینے والے کو اس عمل کا گناہ ملتا رہے گا، یعنی اس کے نامۂ اعمال میں اس گناہ کے عمل کا اجر لکھا جاتا رہے گا، جب تک لوگ اس گناہ کے عمل پر قائم رہیں گے۔ ارشادِ نبوی ہے:

من سنَّ فی الاسلام سنةً حسنةً فله اجرہا و اجر من عمل بہا بعدہ من غیر ان ینقص من اجورہم شیء و من سنَّ فی الاسلام سنة سیّءةً، کان علیه وزرہا و وزر من عمل بہا من بعدہ، من غیر ان ینقص من اوزارہم شیءٌ۔ (۴۰)

جو شخص اسلام میں کسی نیک کام کی بنیاد ڈالے تو اس کے لیے اپنے اعمال کا ثواب بھی ہے اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے، ان کا ثواب بھی ہے۔ بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے

،اور جس نے اسلام میں کسی بُری بات کی ابتداء کی تو اس پر اس کے اپنے عمل کا بھی گناہ ہے اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے، اس پر ان کا گناہ بھی ہے۔ بغیر اس کے کہ اس کے گناہ میں کچھ کمی ہو۔"

ایک اور ارشادِ گرامی جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں ہے:

و من دعا الی ضلالۃٍ کان علیه من الاثم مثل آثام من یتبعه لا ینقص ذلک من آثامهم شیءًا۔(۴۱)

"اور جس نے گناہ کی دعوت دی، اس کے لیے اتنا گناہ ہے جتنا اس بد عملی کا ارتکاب کرنے والوں پر ہے اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔"

یہ ارشاداتِ نبویہ ذرائع ابلاغ سے وابستہ افراد (ابلاغ کی جو بھی شکل مروّج ہے یا آئندہ ظاہر ہو سکتی ہے) کے لیے ایک جامع ترین ضابطۂ اخلاق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس میں ہادئ عالم اور معلم کائنات ﷺ نے اپنے ابلاغ و عمل کی ہر صورت، ہر نو ایجاد ذریعۂ ابلاغ کے بارے میں ابدی و دائمی قابل عمل راہنمائی عطا فرما دی ہے۔ اب ہم میں سے صحافت ایسے مقدس شعبہ سے وابستہ ہر شخص کی دینی و اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ صاحبِ خلق عظیم ﷺ کی عطا فرمودہ ان ہدایات کو اپنے لیے سرمۂ چشم بنا کر ان سے نورِ ہدایت حاصل کرے۔

۱۰۔ مذہبی دل آزاری سے گریز کی ہدایت:

اسلام ایک جمہوریت پسند اور جمہوری اصولوں کو فروغ دینے والوں کا اُلوہی ضابطۂ حیات ہے جو ابد الآباد تک دنیائے انسانی کی زندگی کے ہر میدان میں راہنمائی کرنے کی دائمی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسلام کی بنیاد توحید الوہیت کے عقیدہ و اصول پر قائم ہے اور اس کی تعلیمات کے مطابق شرک ظلم عظیم ہے۔ اس کے باوجود دیگر مذاہب اور ان کی مقدس شخصیات کے احترام کا درس بھی دیتا ہے بلکہ یہاں تک کہ مشرکوں کے جھوٹے خداؤں کو بھی بُرا بھلا کہنے سے منع کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اس بارے میں واضح ارشاد ہے۔ فرمایا:

و لا تسبُّوا الذین یدعون من دون اللّٰه فیسبو اللّٰه عدوًا بغیر علم۔(۴۲)

"اور (اے مسلمانو) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں، پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔"

کیا دنیا کا کوئی دوسرا مذہب رواداری، تحمل، برداشت، مذہبی احترام، مقدس شخصیات کی عزت وتکریم کے بارے میں اتنی وسعت نظری اور جمہوری اصول کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔

اس ارشادِ الٰہی کی روشنی میں میڈیا کے اربابِ بست وکشاد کی یہ بنیادی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس ضابطۂ اخلاق کو اپنے لیے راہنما اصول کی صورت اختیار کرتے ہوئے اس پر عمل کو یقینی بنائیں۔ اس لیے کہ ہماری تاریخ میں ماضی میں بھی اور حالیہ ان دنوں میں بعض ایسے واقعات رُونما ہو چکے ہیں کہ میڈیا کے بعض افراد کے غیر ذمہ دارانہ رویہ اور طرزِ کلام سے ملک کے اندر مذہبی اشتعال پھیل چکا ہے۔ جس کا بنیادی سبب مذہبی تعلیمات سے عدم آگاہی کے باعث عامۃ الناس کی مذہبی دل آزاری ہی بنا ہے۔ اس لیے کہ مذہب کوئی بھی ہو، اس کے پیروکار کی کمزوری اور نازک معاملہ ہوتا ہے، اور کسی بھی مذہب کا کوئی پیروکار اپنے مذہب اور مذہبی شخصیات کی توہین برداشت نہیں کرتا۔

۱۱۔ سنجیدہ اور شائستہ اسلوبِ کلام:

کسی حد تک اپنے خیالات واحساسات اور دعوت وپیغام پہنچانے کے لیے نرم گوئی اور شائستگی دو ایسی خوبیاں ہیں جو کسی بھی مقرر اور داعی کی بات، اس کے الفاظ وکلمات کو سامع کے کانوں سے اس کے دل میں اُتار دیتی ہیں۔ قرآن مجید اس سلسلہ میں بھی ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ فرعون ایسا شخص جو خدائی کا دعویدار تھا، اس تک ابلاغِ حق کے لیے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو حکم دیا تو ان جلیل القدر انبیاء کرام کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو ضابطۂ ابلاغ دیا، اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

فقولا له قولًا ليّنًا لعله يتذكر او يخشٰى۔(۴۳)

”سو تم دونوں اس سے نرم (انداز میں) گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔“

اسی طرح نقطۂ نظر کا اختلاف رکھنے والوں تک ابلاغ اور پیغام پہنچانے کے لیے بھی ابلاغی ضابطۂ اخلاق عطا کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

و لا تجادلوا اهل الكتاب الّا بالتي هي احسن۔(۴۴)

”اور (اے مومنو!) اہل کتاب سے نہ جھگڑا کرو مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو۔“

دوسری جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

اُدْعُ الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلھم بالّتی ہی احسن۔(۴۵)

”(اے رسول معظم!) آپ اپنے ربّ کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔“

مذکورہ آیت کی روشنی میں یہ امر قابل غور ہے کہ جب حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو ابلاغ کے سلسلہ میں نرمی ورفق کا حکم دیا جارہا ہے تو پھر عام انسان کی تو بات ہی اور ہے؟

آج ٹیلی ویژن پر مختلف مباحثوں میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے، جس طرح سے فریقِ مخالف کو تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ذو معانی الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے، اس نے احترامِ باہمی اور انسانی وقار کا جنازہ نکال دیا ہے۔ یہ طرز نہ اسلامی قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اخلاقی اور متمدن اظہارِ خیال قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لیے میڈیا کے اربابِ حل و عقد اور مباحث میں حصہ لینے والے مہمانان جن میں مرد اور خواتین دونوں شامل ہوتے ہیں، سب کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے تہذیب کلام اور اپنے شخصی وقار کو بہر صورت مد نظر رکھیں۔ اس لیے کہ کوئی بھی انسان جب کوئی کلام کرتا ہے تو اس سے اس کی شخصیت کے بہت سے پہلو خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں۔

۱۲۔ احترام و تقدیسِ نسواں:

اللہ ربّ العزت نے مرد و زن کے ساتھ اس کائنات کو زینت بخشی ہے، اور اس کارگہ حیات میں دونوں کا دائرہ کار بھی جداگانہ کرکے معاشرتی توازن قائم کیا ہے۔ اگر مرد پر معاش کی ذمہ داری ڈالی ہے تو عورت کو زینت خانہ اور اپنے بچوں کی اخلاقی تربیت کا عملی ادارہ بھی بنایا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج منشائے الٰہی سے بغاوت کرتے ہوئے عورت کو اشتہار کے طور پر پیش کرکے اس کی تقدیس کو پامال کیا جا رہا ہے۔ عورت کی حرمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا تصور ہو سکتا ہے کہ مردوں کو اس امر کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی نگاہ کو نیچا رکھیں۔ ارشاد باری ہے:

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم و یحفظوا فروجھم۔ (۴۵)

”آپ مومن مردوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔“

عورتوں کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

و قل للمؤمنات یغضضن من ابصارہنّ و یحفظن فروجھنّ۔(۴۶)

''اور آپ مومن عورتوں سے فرمادیں کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔''

مرد و زن دونوں کو اپنی نگاہ نیچی رکھنے کا حکم الٰہی خالی از حکمت نہیں۔ اس لیے کہ وہ خالق انسان ہے۔ وہ اس کی کمزوریوں سے آگاہ ہے۔ اس لیے اس نے یہ ضابطۂ اخلاق عطا کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ملاحظہ ہو:

ان النظر سھم من سھام ابلیس مسموم من ترکہ مخافتی ابدلتہ ایمانًا یجد حلاوتھا فی قلبہٖ۔

''نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔ جو اس کو میرے خوف سے ترک کرتا ہے، میں اسے ایمان کی نعمت بخشوں گا، جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔''

اس پر مزید بحث کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ، علامہ قرطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''نظر دل کی طرف کھلنے والا سب سے بڑا دروازہ ہے۔ نگاہ کی بے راہ روی کے ہی باعث اکثر لغزشیں ہوتی ہیں، اس لیے اس سے بچنا چاہیے اور تمام محرکات سے انہیں روکنا چاہیے۔''(۴۷)

آج ہمارا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا جس طرح عورت کو پیش کر رہا ہے، بالخصوص ٹیلی ویژن پر مختلف پروگراموں میں بناؤ سنگھار اور نت نئے طریقوں کے ساتھ فحاشی اور عریانی کو فروغ دیا جارہا ہے۔ اس نے پورے معاشرے کو اَن گنت مسائل سے دوچار کر رکھا ہے۔ باعث تشویش پہلو یہ بھی ہے کہ بہت سی اہم شخصیات ان پروگراموں میں جلوہ فگن ہوتی ہیں مگر کسی خاتون اینکر پرسن کو کم از کم سر پر دوپٹہ لینے کا کہا ہو، یہ حادثہ رونما نہیں ہوا۔ چوں کفر از کعبہ برخیزد، کجاماند مسلمانی؟

سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں ہم سب کی یہ اجتماعی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ معاشرے میں میڈیا کے ذریعہ تیزی کے ساتھ پھیلنے والی اخلاقی برائیوں کے خاتمہ اور مٹتی ہوئی دینی اقدار کی بحالی کے لیے ہر سطح پر اپنی شخصی حیثیت میں کردار ادا کرے اور اپنے بچوں اور زیر اثر افراد کی ذہنی و اخلاقی تربیت اس طرح کرے کہ وہ ان منکرات کے قریب بھی نہ جائیں۔

دینی صحافت کے اربابِ حل و عقد کی خدمت میں چند گزارشات:

گزشتہ سطور کا اکثر حصہ خالصتاً سیکولر یا مذہبی شناخت نہ رکھنے والے ذرائع ابلاغ خواہ وہ الیکٹرانک میڈیا ہے یا پرنٹ میڈیا، سے متعلق ہے۔ انہیں کے موجودہ کردار کو موضوع بحث بنا کر نقد و جرح کی گئی ہے اور پھر سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں ابلاغ کے مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے کہ اسوۂ نبوی ﷺ کی روشنی میں ذرائع ابلاغ کا کردار کیسا ہونا چاہیے۔

اب چند باتیں رجال دین کی خدمت میں گزارشات کی صورت میں پیش کرنا مقصود ہیں جو منبر و محراب کے ساتھ ساتھ قلم و قرطاس کے ذریعہ صحافت کے میدان میں بھی دعوتی و تربیتی اور قومی و ملی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور زوال و انحطاط کے اس سیاہ دَور میں فکر و عمل کی اصلاح کے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ دینی صحافت سے تعلق رکھنے والے ایسے ارباب فکر و دانش بلاشبہ لائق تبریک اور مستحق ستائش ہیں۔ اس میدان میں مؤثر نتائج حاصل کرنے کے لیے دینی صحافت سے وابستہ علماء اور قلم کاروں کو ان امور کی طرف مزید توجہ مبذول کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ امید ہے کہ راقم کی ان گزارشات پر عمل کی صورت میں صحافت کے میدان میں دینی جرائد و رسائل مزید مؤثر کردار ادا کر سکیں گے۔ گزارشات درج ذیل ہیں:

۱۔ آپ کے قلم سے نکلنے والا ایک ایک لفظ معاشرے میں محبت و مؤدّت، اخوت و بھائی چارہ کی خوشبو پھیلانے والا ہو۔ نفرت و عداوت، انتشار و مخالفت کے سفلی جذبات کو جڑ سے اکھاڑ کر مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد ملت کو وحدت کی لڑی میں پرو کر ایک خوبصورت اور دیدہ زیب مالا بنادے جو ہر دیکھنے والے کے دل کو موہ لے۔

۲۔ اس وقت معاشرے کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ سائنسی علوم و ایجادات کی روز افزوں ترقی اور مغربی تہذیب کی آنکھیں چندھیا دینے والی اور ہوشربا ترقی نے مسلم معاشرے کو مادہ پرست بنا دیا ہے۔ جس کے باعث ہماری اخلاقی و روحانی اقدار تقریباً دم توڑ چکی ہیں۔ اس لیے آج کی دینی صحافت کی اہم ترین ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ وہ افراد معاشرہ کو روحانی ایندھن بنانے کی سعی و کاوش کریں۔ بعثت انبیاء کا بنیادی مقصد یہی تھا۔

۳۔ آج مغرب اور یورپ علمی ترقی کی معراج پر ہیں، اس کی وجوہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ سب کچھ عیاں ہیں۔ قرآن ہمارے پاس ہے مگر اس کے اصول و نظریات عملی طور پر ان اقوام میں

پائے جاتے ہیں، جن کو ہم کافر کہتے ہیں۔ ضرورت اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ اہل دین اور اسلامی فکر رکھنے والے اہل دانش قرآن میں غوطہ زن ہو کر اس کے بیان کردہ حقائق اور اس میں پوشیدہ لعل وجواہر کو نکال کر مغربی ترقی اور مغربی تہذیب ہی ہے۔ اس لیے کہ قرآن ایک ایسی زندہ کتاب ہے جو قیامت تک کے انسانی مسائل اور ان کا حل اپنے دامن میں رکھتا ہے، بشرطیکہ کہ کوئی صدق دل سے ہدایت کا طالب ہو۔ یہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے سابق اور پہلے صدر جارج واشنگٹن کے پوتے جارج اشقون کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں جو اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کی داستان بیان کرتے ہوئے قرآن مجید سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کیا تھا:

''میں نے قرآن شریف کا مطالعہ شروع کر دیا تاکہ بہتر طریقے سے براہِ راست اسلامی تعلیمات کو سمجھ سکوں۔ چند ہی دنوں میں قرآن مجید میں مجھے اپنے ان سوالوں کے جواب تسلی بخش طریقہ سے مل گئے جن کے لیے میں برسوں سے پریشان تھا اور مجھے انجیل اور اس کے عالموں نے مایوس کر دیا تھا۔''(۴۸)

یہ ہے قرآن کی تاثیر جو صدیاں بیت جانے کے باوجود اپنے اندر وہی رنگ رکھتی ہے جو عہد نبوی میں تھا کہ جس نے حضرت سیدنا عمر بن خطاب کی تقدیر کو بدل کر فاروق اعظم بنا دیا تھا۔ قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کے ان علمی و فکری پہلوؤں کو نمایاں کر کے آج کی علمی زبان میں پیش کرنا دینی صحافت کا ایک اہم ترین دینی فریضہ ہے، جس سے غفلت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۴۔ آج کے انسان کے مسائل صرف مذہبی نہیں (عبادات واخلاق) بلکہ آج تہذیب و تمدن، تجارت و حرفہ، علم و تعلیم، قانون و سیاست وغیرہ سے متعلق سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جن میں لوگ قرآن و سنت کی راہنمائی کے طالب ہیں۔ مثلاً سود اور سودی معیشت جس نے معاشرے کو پیس کر رکھ دیا ہے، اس سے نجات اور خلاصی کے لیے قرآنی تعلیمات اور نبوی ہدایات کی روشنی میں قابل عمل حل پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارا معاشرہ رزقِ حلال کے لطف سے آشنا ہو سکے۔

۵۔ اختلافِ رائے علمی دنیا کا ایک حسن ہے، بالخصوص ہماری فقہی تاریخ۔ آئمہ ، فقہاء ، اکابر اور اصاغر اساتذہ اور تلامذہ کے اختلافات سے کتبِ فقہ بھری پڑی ہیں ، مگر اس کے باوجود انہوں نے ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی اور نہ کسی کو دائرۂ اسلام سے نکالا ہے۔

اکابر کا یہ اُسوہ ہمارے لیے نمونۂ عمل ہے کہ آج ہم بھی ان فخر انسانیت اور علم و عمل اور تقویٰ میں ہمالیہ سے بلند ان شخصیات ، کی علمی وفکری روایات کو جاری رکھتے ہوئے نکتۂ نظر کے اختلاف کو علمی دائرے تک ہی محدود رکھیں اور انہیں مخالفت و عداوت میں بدل کر معاشرے اور ملت میں انتشار کا باعث نہ بنیں۔

۶۔ یہ دَور علمی ترقی کا ہے۔ آج ہر بات میزانِ تحقیق سے گزر کر سندِ قبول پاتی ہے۔ افسوس سے یہ بات کہنا پڑتی ہے کہ ہمارے دینی جرائد میں بہت سے ایسے ہیں کہ جن میں چھپنے والی اکثر تحریریں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ غیرادبی، غیر تحقیقی، غیر مستند ہوتی ہیں کہ طبع سلیم رکھنے والا اور نازک و نفیس مزاج کا حامل قاری اسے پڑھنے کی ہمت ہی نہیں کرسکتا۔ قاری کو وہی تحریر متاثر کرتی ہے جوزبان و بیان کے جدید عصری تقاضوں پر پورا اُترتی ہو، اس لیے دینی صحافت سے وابستہ احباب سے یہ بھی گزارش ہے کہ الفاظ کے انتخاب اور جملہ سازی میں آسان ، شستہ انداز تحریر اختیار کریں جو آنکھ اور زبان سے ہوتے ہوئے قاری کے دل میں اس طرح پیوست ہو نہ کہ اسے آپ کے مقصد تحریر کو سمجھنے او ر اسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہ ہو بلکہ وہ یہ جانے کہ یہی بات میرے دل میں تھی۔

۷۔ دینی صحافت کے علمبردار علماء اور اہل قلم کی یہ منصبی ذمہ داری ہے کہ وہ بالخصوص اپنے زیر اثر اور بالعموم تمام افرادِ معاشرہ کی اس طرح سے ذہنی تربیت کریں کہ وہ صحیح معنوں میں سچے اور باعمل مسلمان بن جائیں اور ان کی زندگیاں عملی طور پر اسلام کے سانچے میں ڈھل جائیں تو بہت سے معاشرتی مسائل از خود حل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اس کی تعلیمات میں اتنی تاثیر رکھی ہے جو کسی جادۂ حق کے راہی کی زندگی کو بدلنے کی اپنے اندر پوری صلاحیت رکھتی ہیں۔

۸۔ فرقہ پرستی کے غیر سنجیدہ رجحان نے ملت کے جسد نازک کو تار تار کر دیا ہے۔ آج ملک میں دہشت گردی، انتہا پسندی نے بھائی کو بھائی سے جدا کردیا ہے۔ ایسے ماحول میں اہل اللہ اور اولیاء و صوفیاء کے فکری و نظریاتی علماءِ حق اور راست فکر اہل قلم کی ذمہ داری کئی درجہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ اسلام کے پیغامِ امن وسلامتی ، فلسفۂ محبت و مودّت کو فروغ دینے

کے لیے آگے بڑھیں اور قلم و قرطاس کے ذریعہ سے نسل نو کی اس طرح ذہن سازی کریں کہ وہ معاشرے میں چلتے پھرتے ارشاد نبوی ”بشروا ولا تنفروا“ کے مجسم پیکر نظر آئیں۔

۹۔ ہر دینی جریدہ میں ایک گوشہ مستقل طور پر اسلامی آدابِ زندگی کا ہونا ازحد ضروری ہے، جس میں قرآن و حدیث کے علاوہ اکابر بزرگانِ دین کے احوالِ زندگی میں سے سبق آموز واقعات یا ان کے ارشادات کو آسان ترین پیرایہ میں پیش کیا جائے تو اس سے قاری یقینی طور پر اثر قبول کرے گا جس سے اس کے فکر و عمل میں تبدیلی پیدا ہوگی۔

۱۰۔اسلام ایک علمی تحریک ہے، اس حوالے سے دنیا بھر میں ہونے والے علمی اکتشافات، ایجادات اور ترقی اور اس کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر بھی ٹھوس علمی دلائل کی صورت میں عوام الناس کے سامنے آنا چاہیے۔اس سے معاشرے میں علم و تحقیق کو فروغ ملے گا۔

یہ وہ چند گزارشات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر دینی صحافت کو سیرت طیبہ ﷺ اور معروضی حالات کی روشنی میں مزید مؤثر بنایا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ البقرۃ، ۲:۳۰۔

۲۔ محمد عبداللطیف ، ڈاکٹر، فرہنگِ فارسی، لاہور، کتابستان پبلشنگ کمپنی اردو بازار، س ن ، بذیل مادہ :

(ii) مولوی فیروزدین، فیروز اللغات، نیا ایڈیشن ، لاہور فیروز اینڈ سنز 2010ء

(iii) نیّر نور الحسن، مولوی، نور اللغات، جلد دوئم، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2006ء

۳۔ الرازی، محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر، مختار الصحاح، بذیل مادہ بلغ ، دارالکتاب العربی بیروت ، لبنان، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء

۴۔ Merriam - webstern Dictionary, Merriam webster gne, 2004

۵۔ Oxford Advanced Learners Dictionary, Oxford University Press London, 6th edition 2005

۷۔ سعدی، نفیس الدین، ابلاغ عامہ اور دورِ جدید، کراچی، پاکستان ، ڈیسنٹ پریس 1986ء، ص :۱۳۔

۸۔ آل عمران، ۳:۴۱ ۹۔ مریم، ۱۹:۲۹۔

۱۰۔ النمل، ۲۷: ۳۰،۳۱ ۱۱۔ نوح، ۷۱:۵۔

۱۲۔ نوح، ۷۱:۸،۹ ۱۳۔ النور، ۲۴:۱۵۔

۱۴۔ القادری، محمد طاہر، ڈاکٹر، عرفان القرآن، منہاج القرآن پبلی کیشنز ماڈل ٹاؤن لاہور، طبع چہار دہم، اکتوبر 2005ء، ص ۵۵۰۔

۱۵۔ الحجرات، ۴۹:۶ ۱۶۔ القادری، محمد طاہر، ڈاکٹر، عرفان القرآن، ص :۸۲۵۔

۱۷۔ الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز ، گنج بخش روڈ لاہور، پاکستان، طبع رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ، جلد چہارم، ص : ۵۸۵۔

۱۸۔ النور ۲۴: ۲۷،۲۸ (عرفان القرآن، ص: ۵۵۲،۵۵۳)۔

۱۹۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، امام، الصحیح، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلمَ و لا یسلمہ ۲:۸۶۲، رقم الحدیث: ۲۳۱۰۔

۲۰۔ الحجرات، ۴۹:۱۲۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ القادری، محمد طاہر، ڈاکٹر ، عرفان القرآن، ص: ۸۲۶ ۲۴۔ الحجرات، ۴۹:۱۱۔

۲۵۔ ترمذی، السنن ، کتاب البر و الصلۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب : ما جاء فی شفقۃ المسلم علی المسلم ، ۴: ۳۲۵، الرقم: ۱۹۲۷۔

۲۶۔النسائی، السنن، کتاب: الایمان عن رسول اللہ، باب: ما جاء فی ان المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ، ۵:۱۷، الرقم: ۱۶۲۷۔

۲۷۔ابوداؤد، السنن ، کتاب: الادب، باب : ما جاء فی الرحمۃ ، ۴: ۲۸۶، الرقم: ۴۹۴۱۔

ii۔احمد بن حنبل، المسند، ۲۲۲:۲، الرقم: ۳۷۰۷ ۲۸۔البقرۃ، ۴۲:۲۔

۲۹۔الطلاق، ۶۵:۲ ۳۰۔البقرۃ، ۲: ۲۸۳۔

۳۱۔احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۷۷، الرقم: ۱۳۷۷۔

۳۲۔مسلم: الصحیح ، کتاب : البر والصلۃ و الاداب، باب : تحریم ظلم و المسلم و خذلہ و احتقارہ ودمہ و عرضہ و مالہ، ۴: ۱۹۸۶، الرقم: ۲۵۶۴۔

۳۳۔الاعراف ، ۲۷:۷ (قادری، عرفان القرآن، ص :۲۲۹) ۳۴۔النور، ۲۴:۲۱۔

۳۵۔البقرہ، ۲: ۱۶۹،۱۶۸۔

۳۶۔الانعام، ۶:۱۵۱۔

۳۷۔النور، ۲۴:۱۹۔

۳۸۔المائدہ ، ۵: ۲۔

۳۹۔ایضاً۔

۴۰۔مسلم، الصحیح، کتاب : العلم، باب : من سنّ سنۃ حسنۃ او سیءۃ و من دعا الی ہدی او ضلالۃ :۴، ۲۰۵۹، الرقم:۱۰۱۷۔

ii۔ابن ماجہ، السنن، المقدمہ، باب: من سنّ سنۃ حسنۃ او سیءۃ، ۱: ۷۵،۷۴۔الرقم: ۲۰۳، ۲۰۶،۲۰۷۔

۴۱۔الترمذی، السنن، کتاب : العلم عن رسول اللہ 3، باب: ما جاء فیمن دعا الی ہدی فاتبع او الی ضلالۃ، ۵:۴۳، الرقم:۲۶۷۴۔

۴۲۔الانعام، ۶: ۱۰۸ ۴۳۔طٰہٰ، ۴۴:۲۰۔

۴۴۔العنکبوت، ۲۹: ۴۶

۴۵۔النور، ۲۴:۳۰۔

۴۶۔النور، ۲۴:۳۱۔

۴۷۔الازہری، محمد کرم شاہ ، پیر ، ضیاء القرآن ، ۳:۳۱۳۔

۴۸۔ندوی، قدر الحفیظ ، جارج واشنگٹن کے پوتے کا قبول اسلام ، ماہنامہ دعوۃ ، جلد:۴، شمارہ ۹، فروری ۱۹۹۸ء/ شوال ۱۴۱۸ھ، دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد، ص : ۴۹۔

پاکستان کے نظام محصولات کا سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں جائزہ

سعدیہ گلزار
لیکچرار شعبہ اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین، یونیورسٹی لاہور

Abstract:

Fiscal policy is of paramount importance for economic development of any country there are several inherent drawbacks in the fiscal policy of Pakistan which are impeding its economic development . the financial sources can be increased by widening the existing tax net, eradicating corruption and reducing the number of many unwarranted taxes. Although, the taxation system was modernized and widened during the regime of former president pervaiz musharraf the need for further improvement was still there the second problem associated with taxation system is ever mounting addition in the sales tax. Any enhancement in this tax directly contrary to this the taxation system introduced by holy prophet ﷺ requires that wealth should rotate among all the classes of a society and rich should not become richer when the poor are becoming poorer. The existing system should be revised in the light of Quran and sunnah, tax system can be improved by implementing tax on every affluent person discontinuing any undue privileges enjoyed by that class and reducing the taxes which affect the poor people

سیرۃ النبی ﷺ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی کے دیگر شعبوں کے علاوہ معاشی پہلو سے متعلق بھی بھرپور رہنمائی ملتی ہے۔ عصر حاضر میں پاکستان کو بہت سے معاشی چیلنجز کا سامنا ہے جن میں ایک انتہائی اہم مسئلہ مالی وسائل کے حصول کے لیے ٹیکسوں کا نظام ہے جس میں چند قابل ذکر

خرابیاں رائج ہیں۔ اس نظام کی اصلاح کی بنیاد جہاں قرآنی تعلیمات سے حاصل کی جاسکتی ہے وہیں چودہ سوسال قبل مدنی ریاست کے لیے تشکیل دی جانے والی مالیاتی پالیسی کے اصولوں سے بھی بہترین رہنمائی لی جاسکتی۔ دراصل یہی وہ رہنما پالیسی ہے جس پر عمل کرنے کی وجہ سے خلفاء راشدین کے دور کو معاشی خوشحالی کا بہترین دور کہا جاتا ہے اور عصر حاضر میں قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی اصولوں سے ہی پاکستان کے نظام ٹیکس اور اس میں رائج خرابیوں کی اصلاح ممکن ہے۔

ذیل میں پاکستان کے نظام ٹیکس کا سیرۃ طیبہ کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے:

مالیاتی پالیسی حکومتی ذرائع آمدن اور اخراجات کے لیے تشکیل دی جاتی ہے جس کا اہم ذریعہ آمدن ٹیکس ہے۔ عربی میں ٹیکس کے لیے مکس کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ماہرین لغت کے نزدیک مکس سے مراد وہ درہم تھے جو جاہلیت کے زمانے میں بازاروں میں مال فروخت کرنے والوں سے وصول کیے جاتے تھے۔(۱) ٹیکس انگریزی زبان کا لفظ ہے اور یہ اس رقم کے لیے استعمال ہوتا ہے جو ملکی نظام کو چلانے کے لیے مختلف صورتوں میں لوگوں سے وصول کی جاتی ہے۔اس کی وصولی ایک نظام کے تحت ہوتی ہے اور جن لوگوں پر ٹیکس عائد ہو جاتا ہے اگر وقت مقررہ پر ادائیگی نہ کریں تو ان کے خلاف باقاعدہ قانونی کارروائی کی جاتی ہے۔ ٹیکس کے مفہوم کے بارے میں Mayne s Howard بیان کرتے ہیں کہ ٹیکس حکومت کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ادا کیا جانے والا لازمی محصول ہے۔ تاہم یہ عمومی طور پر نقد، بعض اوقات خدمات یا کسی اور صورت میں ادا کرتے ہیں۔(۲) R.Gn کے نزدیک ٹیکس کسی ریاست کی آمدن کا وہ حصّہ ہے جو کہ ریاست عوام پر لازمی طور پر عائد کرتی اور وصول کرتی ہے۔(۳) Rolph,Earl R کے نزدیک ٹیکس ایک خاص ذریعہ آمدنی ہے جو حکومت افراد اور تنظیموں سے اپنی آمدنی بڑھانے کے لیے قانون کی رُو سے وصول کرتی ہے۔(۴) محصول وہ لازمی مطالبہ ہے جو حکومت کی جانب سے رعیت پر عائد کیا جاتا ہے۔ یہ حکومت کی وہ وصولیاں ہیں جو کہ وہ خدمت عامہ کے لیے وصول کرتی ہے اس تعریف میں عام طور پر وہ ادائیگیاں شامل نہیں ہوتیں جو کہ حکومت فیس، جرمانے، عطیات اور زمین پر خصوصی لگان وغیرہ سے وصول کرتی ہے۔

پاکستان کے نظام محصولات کا جائزہ:

پاکستان کی مالیاتی پالیسی کے اہم مقاصد میں مضبوط دفاع، داخلی امن وامان کا قیام، معاشی ترقی،

فلاح عامہ کے لیے اقدامات، تعلیم وصحت کی سہولیات میں اضافہ، افراد معاشرہ کو روزگار کی فراہمی، کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سرمایہ حاصل کرنے کے اہم ذرائع ٹیکس، داخلی اور بیرونی قرضے ہیں۔ تاریخی طور پر پاکستان کے ٹیکسوں کے نظام کا جائزہ لیا جائے تو نوے کی دہائی سے پہلے پاکستان میں ٹیکس کا ڈھانچہ محدود تھا۔ آئی ایم ایف کے تعاون سے شروع کیے جانے والے سٹر کچرل ایڈ جسٹمنٹ پروگرام کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ ملک میں ٹیکس کے نظام میں تبدیلیاں لائی جائیں ،اصلاحات متعارف کروائی جائیں اور اس کے نظام میں وسعت لائی جائے تاکہ حکومتی وصولیوں میں اضافہ ہوسکے۔ اس دور میں میں چار قسم کے اہم ٹیکس، ایکسائز ڈیوٹی اور انکم ٹیکس عائد کیے جاتے تھے عالمی تجارت کو آزاد بنانے کے لیے ٹیرف میں کمی کی گئی جبکہ اس کمی کو سیلز ٹیکس میں اضافہ کر کے پورا کیا گیا۔ پاکستان انسٹی ٹیوٹ ڈویلپمنٹ کی رپوٹ کے مطابق ۱۹۸۰ء تک ٹیکسوں سے آمدنی حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ٹیرف تھے۔ اس کے بعد محاصل میں ان کا حصّہ اس دور کے اختتام (۹۹۔۱۹۹۸) تک ۴۱ فیصد سے ۲۰ فیصد تک کم ہوا۔ ایکسائز ڈیوٹی میں بھی ۱۹ فیصد سے ۱۶ فیصد تک اضافہ، یعنی ۳ فیصد تک کمی آئی۔ البتہ وصولیوں کا اہم ذریعہ سیلز ٹیکس ہی رہا جس میں ۹ فیصد سے ۱۷.۶ فیصد تک اضافہ ہوا۔ براہ راست ٹیکس میں صرف انکم ٹیکس مستزاد ٹیکس ہے جس کی وصولیوں میں زیادہ تر ود ہولڈنگ ٹیکس شامل ہیں۔ براہ راست ٹیکس میں ۱۳.۲ فیصد سے 30.9 فیصد تک اضافہ ہوا۔ (۵) اقتصادی سروے کے مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۹۷ء کے معاشی اصلاحات کے پیکیج کے تحت انکم ٹیکس کے گوشواروں کے نظام کو سادہ بنایا گیا اور انکم ٹیکس کی شرح آدھی کر دی گئی جیسا کہ ملازمین کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپے تک ہونے کی صورت میں انہیں ۵۰ ہزار آمدنی کی بنیادی چھوٹ دینے کے بعد ۱۰ فیصد کی بجائے ۵ فیصد ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ انکم ٹیکس کی سلیب (Slabs) کو ۱۰ سے ۳۵ فیصد کو ۵ سے ۲۰ فیصد تک کم کیا گیا۔ شخصی آمدن ٹیکس میں کارپوریٹ انکم ٹیکس کی شرح بھی کم کی گئی، پبلک کمپنیوں کے لیے ۳۳ سے ۳۰ فیصد، دیگر کمپنیوں کے لیے ۴۵ سے ۳۵ فیصد اور بینکنگ کمپنیوں کے لیے ۵۸ سے ۵۵ فیصد تک کم کیا گیا۔ (۶) محمد اسلم چوہدری لکھتے ہیں کہ ۹۰ کی دہائی میں فاسفورٹ کیمیائی کھادوں کے استثناء کے ساتھ انفارمیشن ٹیکنالوجی اور اس سے متعلقہ سازوسامان، ادویات، مقامی سطح پر تیار کی گئی مشینری اور بنیادی اشیاء صارف پر سیلز ٹیکس عائد کیا گیا۔ (۷)

سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں بھی نظام ٹیکس میں اصلاحات کو جاری رکھا گیا کیونکہ آئی ایم ایف کے قرضوں کی شرائط میں ایک شرط ٹیکسوں کے نظام میں اصلاحات متعارف کروانا تھا۔ اقتصادی سروے کے مطابق اس دور کی ٹیکس پالیسی کے مقاصد میں قوانین کو سادہ بنانا، ٹیکسوں میں دی گئی چھوٹ کو ختم کرنا، ود ہولڈنگ پر انحصار کم کرنا اور ٹیکس کے تنازعات کے حل کے لیے مؤثر طریق عمل وضع کرنا شامل تھا۔ اس پالیسی میں کامیابی کے لیے انتظامی اصلاحات متعارف کروائی گئیں جن کو متعارف کروانے کا مقصد ٹیکس جمع کرنے کے اخراجات کو کم سے کم کرنا اور زیادہ سے زیادہ ٹیکس جمع کرنا تھا۔ نیز جو لوگ ٹیکس جمع کرواتے تھے ان کو اس بات کی یقین دہانی کروانا تھا کہ ان کی رقم کو درست استعمال میں لایا جائے گا۔

نظام ٹیکس میں اصلاحات متعارف کروانے کے مثبت نتائج سامنے آئے اور اس نظام میں وسعت آئی جس سے بالواسطہ اور بلاواسطہ ٹیکسوں کی وصولیوں میں اضافہ ہوا لیکن ٹیکس جی ڈی پی کی شرح تقریباً ۹ فیصد ہی رہی، سابق صدر پرویز مشرف کے دور حکومت میں مالی سال ۲۰۰۷ء اور ۲۰۰۸ء میں براہ راست ٹیکسوں میں اضافہ کی آمدن دیگر سالوں کی نسبت بلند رہی ٹیکس کی وصولیوں میں بالترتیب ۸۴۷.۲ بلین روپے اور ۱۰۰۷.۲ بلین روپے اضافہ ہوا۔ بلاواسطہ ٹیکسوں کی نسبت بالواسطہ تاہم ایکسائز ٹیکس اور کسٹم ٹیکس کی نسبت سیلز ٹیکس سے محاصل زیادہ رہے۔ بلاواسطہ ٹیکسوں کی وصولیوں میں اضافہ رہا۔(۸)

سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے دور حکومت میں صدر مشرف کے دور کے نظام ٹیکس میں متعارف کروائی گئی اصلاحات کو جاری رکھا گیا۔ چند شعبے ٹیکس کے تحت آتے تھے اور چند اس سے مستثنیٰ تھے تاہم اس دور میں تمام شعبوں کو ٹیکس نیٹ ورک میں لایا گیا۔ خوراک، زرعی پیداوار، تعلیم اور ادویات کے علاوہ تمام اشیاء پر سیلز ٹیکس پر دی جانے والی استثنائیں ختم کر دی گئیں۔ ملکی سیلز ٹیکس پر زیرو ڈیٹنگ کو ختم کر کے ٹیکس کا دائرہ بڑھایا گیا۔ سیلز ٹیکس کی شرح ۱۷ فیصد سے کم کر کے ۱۶ فیصد کی گئی۔ وفاقی ایکسائز ڈیوٹی کو ختم کر دیا گیا اور ان کی شرحیں کم کی گئیں۔(۹) مالی سال ۱۱۔۲۰۱۰ء میں انکم ٹیکس میں چھوٹ کی حد ایک لاکھ روپے سے بڑھا کر تین لاکھ روپے کی گئی۔ جس کا فائدہ کم آمدنی والے ۱۲ لاکھ ٹیکس ادا کرنے والوں کو ہوا، مالی مال ۲۰۱۱ء میں اس حد کو بڑھا کر ساڑھے تین لاکھ کیا گیا، اس ریلیف کو جاری رکھتے ہوئے مالی سال ۲۰۱۲ء میں اس حد ۴ لاکھ روپے کی گئی۔(۱۰) اس سے بظاہر تنخواہ دار طبقے کو ریلیف ملا لیکن سیلز ٹیکس میں

اضافہ سے ان کی معاشی مشکلات میں اضافہ رہا۔ان اصلاحات کے نتیجے میں ٹیکس محاصل ۲سال میں ۱۳۲۷ارب روپے سے بڑھ کر ۱۹۵۰ارب روپے تک پہنچ گئے جو ۶فیصد اضافہ کو ظاہر کرتا ہے۔(۱۱)

مندرجہ بالا جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کے نظام ٹیکس پر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے اثرات نمایاں ہیں جس کی وجہ سے سیلز ٹیکس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جو کہ اشیاء ضروریات پر بھی عائد کیا جاتا ہے اسی طرح پاکستان میں ٹیکس چوری اور ٹیکس معافی بھی عام ہے۔پاکستان کی معاشی ترقی اور استحکام کے لیے موجودہ نظام ٹیکس کی اصلاح قرآن و سنت کی روشنی میں کی جانی ضروری ہے جس کا ذیل میں تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔

پاکستان کے نظام محصولات کی اصلاح کا سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں لائحہ عمل:

بنی ﷺ کی بعثت سے قبل عرب سے متصل روم (عیسائی مذہب کے پیروکار) اور ایران (مجوسی مذہب کے پیروکار) دو بڑی حکومتوں کے حکمران اپنی پر تعیش زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے عوام پر بھاری ٹیکس عائد کرتے تھے بنی ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لانے کے بعد معاشی نظام کی بنیاد رکھی جو کہ نظریاتی اور اخلاقی اصول پر مبنی تھی۔معاشی نظام میں اصلاحات متعارف کروائیں اور ٹیکسوں کے غیر ضروری بوجھ سے بھی افراد معاشرہ کو آزاد کیا۔عہد نبوی ﷺ میں ٹیکسوں کو عائد کرنے اور خرچ کرنے کے مقاصد واضح تھے جن کا ذیل میں پاکستان کے نظام ٹیکس کے مقاصد کے ساتھ تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔

پاکستان کے نظام محصولات کے مقاصد کا سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں جائزہ:

عہد نبوی ﷺ کے مالی نظام کا اہم ذریعہ آمدن زکوۃ و عشر،مال غنیمت، فئے،جزیہ اور خراج پر مشتمل تھا۔ان ٹیکسوں کا بنیادی مقصد جہادی سازوسامان کی تیاری، امورمملکت کو چلانا تھا اور حاجت مند کی حاجت کو پورا کرنا تھا۔

اسلامی ریاست میں حکمران کو اور عوام کو ضرورت پوری کرنے کا پابند بنایا گیا ہے اور اس فرض کی عدم عدائیگی کی صورت میں اسے دوزخ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے سب سے زیادہ قریب عادل حکمران ہو گا اور سب سے زیادہ مبغوض اور اُس سے زیادہ دور ظالم حکمران ہو گا۔(۱۲) جس بندے کو

خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ جنت کی خوشبو نہ پا سکے گا۔(۱۳) معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حکمران کی ذمہ داری ہے کہ زکوۃ کو سرکاری سطح پر جمع کر کے مستحقین میں تقسیم کرے:

"اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ"(۱۴)

(جن لوگوں کو ہم زمین میں اقتدار بخشیں وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔)

اسلامی ریاست کا محصول زکوۃ کفالت عامہ کا اہم ذریعہ ہے جیسا کہ زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں:

"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَ الْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ" (۱۵)

(صدقات (زکاۃ و خیرات) صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جن کو دل جوئی مقصود ہوتی ہے اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے، فرض ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب علم و حکمت والا ہے۔)

پاکستان میں غرباء کی کفالت کے لیے ضروری ہے کہ زکوۃ و عشر کو وصول کیا جائے۔ اگر زکوۃ و عشر کی رقومات سے بھی غربت میں کمی نہیں آتی تو حکومت امراء پر ٹیکس عائد کر کے غرباء کی اعانت پر خرچ کر سکتی ہے۔ نبی ﷺ نے زکوۃ کے علاوہ بھی ٹیکس کی گنجائش رکھی جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ سے واضح ہوتا ہے:

"انّ فی المال حقّا سوی الزکاۃ" (۱۶)

(یقیناً مال میں زکوۃ کے سوا بھی حق (غیر متعین و غیر مستقل) ہے)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں حکومتیں مزید ٹیکس عائد کر سکتی ہیں لیکن ٹیکس عائد کرنے کے مقاصد واضح ہونے چاہیں تا کہ عوام ان کو بوجھ سمجھنے کی بجائے اپنی ذمہ داری سمجھ کر ادا کریں۔

مالیاتی پالیسی کا ایک اور اہم مقصد ملک کے دفاع کو مضبوط کرنا ہے کیونکہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور داخلی امن و امان کے بغیر معاشی ترقی ممکن نہیں ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ''(۱۷)

تم ان (کافروں) کے مقابلے کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق قوت اور تیار بندھے گھوڑے (فراہم کرنے) کی تیاری کروتا کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکواور ان کے علاوہ اوروں کو بھی جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جانتاہے جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں صرف کروگے وہ تمھیں پوراپورادیا جائے گا کیااور تم پر ظلم نہیں جائے گا۔)

بنی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دفاع کے اخراجات کو دیگر اخراجات پر ترجیح دی کیونکہ کسی ملک کی بقااور سلامتی کے لیے دفاع کا مضبوط ہونا ضروری ہے۔ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ملکی دفاع کا اہتمام کیا اور جن بیرونی عناصر کا خطرہ تھا ان پر بھی لشکر کشی کی گئی جیسے غزوہ تبوک اور غزوہ موتہ عیسائیوں اور غزوہ خیبر یہودیوں کے ساتھ لڑے گئے۔ بنی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دفاع کے لیے ہنگامی چندہ (ضرائب) کی بھی ترغیب دی اس کی واضح مثال غزوہ تبوک کاہنگامی چندہ ہے۔ غزوہ تبوک ۹ ہجری کو ہوا یہ تنگی وعسرت، گرمی کی تیزی اور شدت اور شہروں میں قحط وفلاکت کا زمانہ تھا۔(۱۸) نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دولتمندوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور سواری کا انتظام کرنے کی دعوت دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے لیے جیش عسرۃ میں ایک ہزار دینار خرچ کیے۔(۱۹) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارامال لے کر حاضر ہوگئے اور گھر میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا۔ حضرت عمر فاروق نے اپنا آدھامال صدقہ کیا۔(۲۰) اسی طرح ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق حصّہ ڈالا۔

دفاع پر اخراجات کرنے اس لیے بھی ضروری ہیں کیونکہ اگر ملک کو بیرونی عناصر سے خطرہ درپیش رہے اور داخلی امن وامان کی صورتحا بھی خراب ہو تو سرمایہ کار اپنے وطن میں سرمایہ کاری کرنے کی بجائے بیرون ملک سرمایہ منتقل کرنا شروع کردیتے ہیں اور سرمایہ کاری کے لیے ایسے ممالک کو ترجیح دیتے ہیں جہاں پر معاشی ترقی کے مواقع اور امن و امان کی صورتحال بہتر ہو جیسا کہ عصر حاضر میں پاکستان کی دہشت گردی کیخلاد جنگ میں شرکت کی وجہ سے سرمایہ کاروں نے سرمایہ ملائیشیاء، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک منتقل کرنا شروع کردیاہے جس سے نہ صرف ملکی معاشی ترقی متاثر ہوئی ہے بلکہ پاکستان

کے سرمایہ اور ذہنی صلاحیتوں سے دیگر ممالک کی معیشت کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ دوسری طرف بدامنی کے حالات کی وجہ سے براہ راست بیرونی سرمایہ کاری میں بھی کمی آئی ہے۔ عصر حاضر میں پاکستان کی سالمیت کو بیرونی عوامل سے خطرہ درپیش ہے اور داخلی امن وامان کی صورتحال بھی افسوس ناک ہے۔ امن وامان کی صورتحال کی بہتری کے لیے پاکستان کے دفاع کے لیے زیادہ فنڈز مختص کیے جائیں اور ٹھوس پالیسی مرتب کی جائے تاکہ معاشرتی اور معاشی خوشحالی ممکن ہوسکے۔

پاکستان کے نظام محصولات کی خرابیوں کا سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں جائزہ:

ا۔ ٹیکسوں کے بڑھتے ہوئے بوجھ کی اصلاح:

پاکستان کے نظام ٹیکس میں پریشان کن صورتحال سیلز ٹیکس اور انکم ٹیکس کی شرح میں بڑھتا ہوا اضافہ ہے۔مالی سال ۹۱۔۱۹۹۰ء میں سیلز ٹیکس کا حصّہ بالواسطہ ٹیکسوں سے حاصل ہونے والے محاصل میں ۱۷.۶ فیصد رہا،مالی سال ۲۰۰۸۔۲۰۰۷ء میں اس کی شرح بڑھ کر ۶۰۹ فیصد ہوگئی اور مالی سال ۱۳۔۲۰۱۲ء میں ۳۷.۴ فیصد اندازہ لگایا گیا تھا۔ براہ راست ٹیکس کی شرح مالی سال ۹۱۔۱۹۹۰ء میں ۱۸ فیصد، مالی سال ۰۸۔۲۰۰۷ء تک ۳۸.۵ فیصد مالی سال ۱۳۔۲۰۱۲ء میں ۲۹.۱ فیصد اندازہ لگایا گیا تھا۔(۲۱) سیلز ٹیکس کا بوجھ صارفین کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔براہ راست ٹیکس میں سب سے اہم ٹیکس آمدنی ٹیکس ہے۔اس سے مقررہ آمدنی والے طبقہ کے لیے مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ درمیانے اور کم درجے والے افراد خاص طور پر ادارہ جاتی ملازمین پر دباؤ بڑھتا ہے کیونکہ ان سے لازمی طور ٹیکسوں کی وصولیاں کی جاتی ہیں۔

دراصل عالمی قرضے فراہم کرنے والے اداروں مثلاً آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے قرضوں کی شرائط میں سے ایک شرط سیلز ٹیکس میں اضافہ کی ہے۔اس ٹیکس میں اضافہ سے غرباء کے معاشی مسائل میں اضافہ اور دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہورہی ہے۔ سیلز ٹیکس کی شرح میں بڑھتا ہوا اضافہ نبی ﷺ کے متعارف کردہ نظام ٹیکس کے اصول عدل کے منافی ہے۔اسلامی تعلیمات کی رُو سے ٹیکس امراء سے لے کر غرباء مین تقسیم کرنا چاہیے جیسا کہ زکوۃ کو امراء کا فرض اور غرباء کا حق قرار دیا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

”وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ“ (۲۲)

(اور اُن کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا۔)

نبی ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو زکوۃ کی وصولی کی ہدایت فرمائی:

"أنّ الله افترض عليهم صدقةً في اموالهم تؤخذ من أغنيآئهم وتردّ على فقرآئهم"(۲۳)

(اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں پر زکوٰۃ عائد کی ہے جو ان کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے ضرورت مندوں کو دی جائے گی۔)

اگر چہ بنی ﷺ نے ٹیکس کو لازمی بنیادوں پر وصول کیا تاہم ٹیکس کی وصولی میں اصول عدل اور سہولت کار فرما تھا۔ اسلام کے نظام عشر میں بھی اصول عدل کو ملحوظ رکھا گیا ہے نبی ﷺ کی تصریح کے مطابق جس زمین کی ابپاشی بارش، چشموں یاندیوں سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جس کو پانی کھینچ کر یعنی کھود کر آبپاشی کی گئی ہو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے گا۔(۲۴) خراج کی وصولی میں بھی اصول عدل کو ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ نبی ﷺ نے عاملین خراج کی وصولی میں بھی اصول عدل کے ساتھ وصولی کا حکم دیا۔ عبداللہ بن رواحہ مقاسمہ پیداوار کے لیے خیبر جاتے تھے اور ان کی پیداوار کا اندازہ لگاتے تھے۔ جب اہل خیبر ان سے شکایت کرتے کہ آپ نے ظلم کیا تو وہ کہتے تم اندازے کا نفع ہمیں دو یا تم لو، دونوں سے جو مقدار پاہو ہمیں دو اس پر یہودی کہتے اس عدل پر آسمان وزمین برقرار ہیں۔(۲۵) اصول سہولت کے تحت رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو عمدہ مال لینے سے اجتناب کا حکم دیا۔(۲۶) نبی ﷺ نے جزیہ کی نوعیت کے متعلق حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا بھیجا تو فرمایا کہ ان کے باشندوں سے بطور جزیہ ہر بالغ شخص سے ایک دینار وصول کریں گے یا اس کے برابر اس شخص سے معافری کپڑا لیں جو یمن میں ہوتا ہے۔(۲۷) احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے عوام پر بے جا بوجھ منتقل نہیں کیا بلکہ ٹیکسوں کی وصولی میں نرمی کا اصول اپنانے کا حکم دیا۔ مندرجہ بالا اصولوں کے تحت ضروری ہے کہ عوام پت ناجائز ٹیکسوں کا بوجھ ختم کیا جائے بالخصوص اشیاء ضرورت پر سیلز ٹیکس کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جانا ضروری ہے۔

پاکستان میں ٹیکس جمع کرنے کا نظام سیرۃ النبی ﷺ کے متعارف کردہ اصول کے برعکس ہے۔ غرباء سے ٹیکسوں کے ذریعے پیسہ جمع کیا جاتا ہے اور امراء کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے سرمایہ کار اور صنعت کار بینکوں سے قرضے لے کر معاف کروا لیتے ہیں، ٹیکسوں میں رعایت لے لیتے ہیں اور اس

کے باوجود معاشرتی تعلقات اور رشوت کے بل بوتے پت ٹیکس معاف بھی کروالیتے ہیں جبکہ غریب عوام کو بالواسطہ ٹیکسوں میں جکڑا جاتا ہے اور جو غریب ہے اس کو غریب تر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نظام ٹیکس میں امراء ٹیکس نیٹ ورک میں لانے، ان کو دی جانے والی غیر ضروری مراعات کو ختم کرنے اور غرباء پر غیر ضروری ٹیکس کی بھرمار کو ختم کرنے سے بہتری آسکتی ہے۔

۲۔ لازمی بنیادوں پر زکوۃ اور دیگر ٹیکسوں کی وصولی:

پاکستان میں نظام ٹیکس میں ایک بڑی خرابی ٹیکس چوری اور رشوت کے ذریعے ٹیکس معافی بھی ہے۔ پاکستان میں سرمایہ کار اور سرمایہ دار طبقات مختلف طریقوں سے ٹیکس سے بچتے ہیں۔ پاکستان میں صرف ۳۰ لاکھ افراد انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں اور سیلز ٹیکس میں صرف ایک لاکھ افراف رجسٹرڈ ہیں۔ (۲۸) وفاقی ٹیکس محتسب شعیب سڈل کے مطابق ملک میں سالانہ چار سے پانچ ہزار ارب روپے کی ٹیکس چوری ہورہی ہے۔ (۲۹) اس ملک میں ٹیکسوں کا نظام مؤثر نہ ہونے کی وجہ سے اخرجات کی نسبت محاصل کم رہتے ہیں۔ اس فرق کو بیرونی امداد سے پورا کیا جاتا ہے، لیکن اس سے قرضوں کے بوجھ میں اضافے کے ساتھ بیرونی اثرات بھی غالب آتے ہیں خصوصاً قرضے دینے والے ادارے پالیسیاں اپنی مرضی سے بنواتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹیکسوں کی مد سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک بڑا حصّہ سودی قرضہ جات کی ادائیگی میں صرف ہوتا ہے۔ دفاع اور قرضوں کے واجبات کی ادائیگی کی وجہ سے فلاح عامہ کے لیے بہت کم فنڈز مختص کیے جاتے ہیں۔

اسلامی نظام معیشت کا اہم ذریعہ آمدن زکوۃ و عشرہ ہے جو کہ مذہبی فریضہ اور تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے۔ زکوۃ و عشر معاشی عدل کی بہترین مثال ہے کیونکہ اس اہم مالی عبادت میں سے کسی بھی مستحق کو نہیں چھوڑا گای غربا اور مساکین کی معاشی کفالت کا اہم ذریعہ زکوۃ ہے۔ اگر زکوۃ کی رقم ہی درست طریقے سے خرچ کی جائے تو معیشت سے غربت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ پاکستان میں اسی (۸۰) کی دہائی سے عوام کی فلاح و بہبود کے پیش نظر زکوۃ کو سرکاری سطح پر جمع اور ضرورت مندوں میں تقسیم کیا جارہا ہے۔ تاہم زکوۃ کی وصولی اور تقسیم میں کرپشن کا عنصر کار فرمارہا۔ غربت کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ زکوۃ و عشر کی وصولی اور خرچ کے پروگرام کو مؤثر بنایا جاتا، زکوٰۃ و عشر کے فنڈز میں سے کرپشن ختم کی جائے اور اس رقم کو غرباء کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے۔ زکوۃ کا اہم مقصد ہی غریبوں کی اعانت ہے

جیسا کہ زکوۃ کے آٹھ مصارف سے واضح ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ زکوۃ عشر کا حقیقی روح کے ساتھ نفاذ کیا جائے تاکہ ان کے فوائد سے مستحقین مستفید ہو سکیں۔

بڑے سرمایہ کار جو زکوۃ ادا نہ کرنے کے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں اُن کو زکوۃ کی ادائیگی کے لیے نظریاتی اور اخلاقی بنیادوں پر مائل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے زکوۃ کی ادائیگی پر ترغیبات کے ذریعے راغب کیا تاکہ افراد معاشرہ زکوۃ کو رضا الٰہی کے حصول اور آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے ادا کریں۔ زکوۃ کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول (۳۰) اور مال میں اضافہ کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ (۳۱) حدیث نبوی ﷺ کی رُو سے مویشیوں کی زکوۃ نہ ادا کرنے پر قیامت والے دن ایسے مویشی اپنے مالک کو اپنے پاؤں سے روندیں گے اوت سینگ ماریں گے۔ (۳۲) جس مال سے زکوۃ نہیں ادا کی جائے گی قیامت کے دن یہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل میں، جس کی آنکھوں پر دو کالے ٹیکے (داغ) ہوں گے اس کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ (۳۳) زکوۃ کی ادئیگی پر جنت کی خوشنجری سنائی گئی ہے۔ (۳۴) عصر حاضر میں بھی ضروری ہے کہ افراد معاشرہ کو ترغیبات کے ذریعے سے زکوۃ کی ادائیگی کا لازمی طور پر پابند بنایا جائے اور زکوۃ کی رقم مستحقین پر خرچ کی جائے۔ زکوۃ کی دو اہم مدیں ہیں جن میں ایک مد غرباء اور مساکین کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں جس سے غربت میں کمی آسکتی ہے۔ دوسری مد میں زکوۃ کے مستحقین میں سے ہی افراد کو کاروبار کرنے کے لیے زکوۃ کی رقم دی جا سکتی ہے جس سے زکوۃ لینے والا ہاتھ آنے والے کل میں دینے والا بن سکتا ہے جس سے عہد عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جیسا معاشی خوشحالی کا مثالی دور بھی لوٹ سکتا ہے جس میں زکوۃ دینے والے تو ہوں گے لیکن لینے والا کوئی نادار نہیں ملے گا۔ نیز دولت میں پائی جانے والی ناہمواریوں کا بھی خاتمہ ہو سکتا ہے۔

ضرورت کے تحت حکومت ٹیکس عائد کر سکتی ہے لیکن عوام کے اعتماد کے لیے ٹیکس کی شرح اور ٹیکس عائد کرنے کے مقاصد اور اخراجات واضح ہونے چاہیں۔ نبی ﷺ نے اگر ضرورت کے تحت ٹیکس عائد کیے تو امت نے اس پر لبیک کہتے ہوئے سرکاری خزانے میں ٹیکس کی ادائیگی کی کیونکہ ٹیکس دینے والے کو نبی ﷺ کی اس بات پر اعتماد تھا کہ اُن کی ادا کی جانے والی رقم جائز مقاصد کے لیے استعمال میں لائی جائے گی۔ اسی طرح سے حکومت دیگر جائز ٹیکسوں کے لیے افراد معاشرہ کو بھی ترغیبات کے ذریعے مائل کر سکتی ہے۔ اگر ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ عوام کو دفاع، تحفظ اور دیگر سہولیات فراہم کرے تو اس کے لیے

ٹیکس دہندگان کو یقین دہانی کرائی جانی ضروری ہے کہ ان کی ادا کی جانے والی رقومات کو اسلامی بنیادوں پر قائم مملکت اسلامیہ کی حفاظت، بقا اور ارتقاء کے لیے خرچ کیا جائے گا جس سے عوامہ الناس کو فائدہ حاصل ہو گا۔ نیز عوام کی اخلاقی تربیت بھی ضروری ہے تا کہ وہ ٹیکسوں کو خوشی سے لازمی بنیادوں پر ادا کریں۔

جو لوگ ترغیبات کے ذریعے بھی مائل نہ ہوں تو حکومت سختی سے زکوۃ وصول کر سکتی ہے جیسا کہ نبی ﷺ عاملین کو زکوۃ کی وصولی کے لیے روانہ فرماتے حدیث نبوی میں بیان کردہ ایک واقعہ سے بھی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک درے میں بکریاں چرا رہا تھا دو ناقہ سوار میرے پاس آکر رکے۔ اونٹ بٹھا کر اُترے اور مجھے کہنے لگے: ہم نبی ﷺ کے قاصد ہیں۔ تمھارے ریوڑ کی زکوۃ وصول کرنے آئے ہیں میں نے خوشی خوشی بچہ والی شیر دار بکری ان کے حوالے کرنی چاہی مگر اُنھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا ہمیں اس کے لینے کا حکم نہیں۔ میں نے ایک دوسرا بچہ دیا انہوں نے اُونٹ پر لادا اور روانہ ہوگئے۔ نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرماتے ہوئے زکوۃ کی جمع و تقسیم کی بھی ہدایت فرمائی۔ (۳۶) نبی ﷺ نے قبائل کے سرداروں کو بھی زکوۃ کی وصولی کے احکامات جاری فرمائے۔ نبی ﷺ کی سیرت پر چلتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوۃ نہ ادا کرنے والوں کے خلاف جہاد کیا اور فرمایا اللہ کی قسم اگر وہ مجھ سے وہ رسی روکے رکھیں گے جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے اُس کے روکنے کی وجہ سے جہاد کروں گا۔ (۳۷) اسی طرح جو افراد ٹیکس ادا نہیں کرتے اُن کو تعزیرتی سزائیں دی جانی چاہئیں۔

۳۔ ٹیکس کی وصولی اور مصارف میں رائج کرپشن کا خاتمہ:

پاکستان میں ٹیکسوں کی وصولی اور مصارف میں خرابیاں رائج ہیں۔ پاکستان میں برسر اقتدار آنے والی تقریباً تمام حکومتوں کے مصارف میں کرپشن کا عنصر نمایاں رہا۔ ٹیکس عائد کرنے کا اصل مقصد عوام کو سہولیات فراہم کرنا اور ملکی نظم و نسق چلانا ہے۔ لیکن پاکستان میں حکمران طبقہ عام طور پر عیش و عشرت کا خوگر ہے حتی کہ حکومتی معیار زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدن کو بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ رسول ﷺ نے متعدد فرامین میں عمال کے لیے ہدیہ لینے کو حرام ٹھہرایا۔ رسول ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن اللّتبیۃ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے تحفے میں ملا ہے یہ بات سن کر آپ جلال میں آگئے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر اللہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''فو الذی نفس محمد بیدہ لا یغل اخد کم منھا شیاء الا جاء بہ یو ما القیامۃ یحملہ علی عنقہ ، ان کان بعیرًا جاء بہ لھرغاء ،و ان کانت بقرۃ جاء بھا لھا خوار ، وان کانت شاۃ جاء تیعر ، فقد بلّغت'' (۳۸)

(قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے کوئی تم میں سے ایسا مال نہیں لے گا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر اسے لائے گا اس طرح حال کیا ہوا اگر اونٹ ہو گا تو وہ بڑابڑا رہا ہو گا، گائے ہو گی تو چلا رہی ہو گئی، بکری ہو گئی تو ممیار ہی ہو گئی، اور فرمایا: یااللہ میں نے تیرا حکم لوگوں تک پہنچادیا۔)

احساس جوابدہی کا تصور عاملین زکوۃ کو بدعنوانیوں سے باز رکھتا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''کلّکم راع و مسؤول عن رعیّتہ'' (۳۹)

(تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کا نگران ہے اور اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔)

ٹیکس عائد کرنے اصل مقصد عوام کی فلاح و بہبود اور امور حکومت چلانا ہے جبکہ عصر حاضر میں حکومتوں میں اسراف و تبذیر کا عنصر نمایاں ہے۔ حکمران طبقہ بھی قناعت کی کمی کی وجہ سے اکثر سرکاری خزانے کی چوری کے لیے مختلف طریقے استعمال میں لاتے ہیں۔ نیز اپنی جائز ضروریات پوری کرنے کی بجائے عوام کی دولت کو اپنی عیش و عشرت کی زندگی، عزیز واقارب اور وفادار سیاسی دوستوں کو نوازنے اور سرکاری دوروں پر اُڑاتے ہیں۔ سرکاری خزانہ کو بطور ضرورت استعمال میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ حکمران اپنے طرز زندگی میں سادگی لے کر آئیں کیونکہ اسلام میں اسراف و تبذیر کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق کھانے پینے میں حد سے تجاوز کو ناپسند کیا گیا ہے۔(۴۰) مگر اور مبذر یعنی حرم اشیاء پر خرچ کرنے والے کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔(۴۱) نبی ﷺ نے زہد پر مبنی زندگی گزاری اور اسراف ور تبذیر کی بجائے سادگی کی ترغیب دی۔ نبی ﷺ نے اسراف و تکبر کے بغیر کھانے پینے اور صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔(۴۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ہمیں چاندی کے برتنوں میں پینے اور کھانے سے، ریشم اور دیباج کے کپڑے پہننے اور بچھانے سے منع فرمایا۔(۴۳) اسی طرح حدیث نبوی ﷺ میں مسّی اور شوخ زعفرانی رنگ کے کپڑے پہننے اور سونے کی انگوٹھی پہننے کی بھی ممانعت کا حکم آتا ہے۔(۴۴) نبی ﷺ ہمیشہ دعا فرماتے اے اللہ! آل محمد ﷺ کو موافق ضرورت روزی عطا فرما۔(۴۵) عوام کے وسائل کو استعمال کرنے کی بجائے نبی ﷺ کے پاس

جو کچھ ہوتا غرباء کی اعانت پر خرچ کر دیتے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر میرے پاس اُحد پہاڑ برابر سونا ہو تو میں سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دوں اور صرف تین اشرفیاں رکھ لوں۔(۴۶) عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی پھر جلدی سے گھر تشریف لے گئے پھر تھوڑی دیر میں باہر نکلے تو میں ان سے اس کا سبب پوچھا یا کسی اور نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا خیرات کے مال میں سے ایک سونے کا ٹکڑا گھر میں چھوڑ آیا تھا۔ مجھے برا محسوس ہوا کہ رات کو وہ میرے پاس پڑا رہے میں نے اسے بانٹ دیا۔(۴۷) پاکستان دنیا کہ ترقی پذیز ممالک میں سے ایک ہے لیکن حکمران، افسران اور عوام سب ہی اپنی دولت کی ریاکاری میں فخر و مباہات کا شکار ہو چکے ہیں۔ عوام کے خون پسینے کی کمائی مختلف قسم کے ٹیکسوں کے لیے ہتھیانے کے بعد اُس کو اپنے بینک بیلنس بڑھانے کے علاوہ تعیّشانہ زندگی پر خرچ کرتے ہیں۔ جس آمدن پر عوام کا حق ہے اور جسے فلاح عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جانا چاہیئے اُس کو اسراف و تبذیر کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ کی سیرۃ طیبہ عصر حاضر کے حکمرانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ حکمرانوں کی اہم ذمہ داری رعیت کی خیر خواہی ہے اس لیے ان کو اپنی زندگی عوام کی خیر خواہی اور خوشحالی کے لیے وقف کر دینی چاہیے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں سادگی اور کم قیمت اشیاء کی ترغیبات کے لیے تحریکی اور مہماتی انداز میں کام کیا جائے۔ حکمرانوں، افسروں اور ملازمین پر قیمتی لباسوں، دفاتر میں قیمتی گاڑیوں کے بے جا استعمال پر سختی سے پابندی لگائی جائے۔ مالی وسائل کا رخ زیادہ سے زیادہ عوام کی فلاح کی طرف موڑا جائے۔

جو سرمایہ کار ٹیکس ادا نہیں کرتے یا ٹیکس چوری میں ملوث ہیں اُن کا احتساب کیا جائے اور اُن سے ٹیکس وصول کر کے سرکاری خزانے میں جمع کروائے جائیں جس سے نہ صرف عوام نئے ٹیکسوں سے بچ سکتی ہے بلکہ سیلز ٹیکس پر بھی نظر ثانی کی جاسکتی ہے اور ان کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

پاکستان کے نظام کے تاریخی جائزے سے مندرجہ بالا خرابیاں واضح ہوتی ہیں جن میں سے چند خرابیاں حکومتی کمزوریوں کی بنیاد پر ہیں جبکہ عوام اور سرمایہ کار بھی چند خرابیوں کے ذمہ دار ہیں۔ سیلز ٹیکس اور براہ راست ٹیکس میں انکم ٹیکس میں اضافہ کی وجہ سے غریب عوام پر بار منتقل کیا جا رہا ہے جس سے ان کے معاشی مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سیلز ٹیکس چونکہ اشیاء کی قیمتوں میں شامل کیا جاتا ہے اس لیے غرباء کی قوت خرید میں متاثر ہوئی ہے اور ان کی ضروری اشیاء صرف تک بھی رسائی ممکن نہیں رہی جس کی وجہ سے

غربت کی شرح میں مسلسل اضافہ ہورہاہے۔ زیادہ تر سرمایہ کار ٹیکسوں سے بچنے کے لیے اثرورسوخ اور رشوت کو آلہ کار بناتے ہیں جس سے معاشرے میں کرپشن کو رواج مل رہاہے۔ اگرچہ صدر پرویز مشرف کے دور سے نظام ٹیکس میں جدت اور وسعت لائی گئی تاہم اصلاح کی ضرورت باقی ہے۔ بڑے سرمایہ کاروں کو ٹیکس نیٹ ورک میں لانا اور ٹیکسوں کی لازمی بنیادوں پر وصولی سرمایہ کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ پاکستان کے نظام ٹیکس کے خرچ کرنے میں بھی کرپشن کا عنصر نمایاں ہے جس کی وجہ سے حق دار کو حق نہیں پہنچ رہا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دیانت دار طبقہ کو تعینات کیا جائے تاکہ کرپشن کا خاتمہ ہوسکے۔

تجاویز:

سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں پاکستان کے نظام ٹیکس کی اصلاح کے لیے مندرجہ ذیل نکات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

☆ ٹیکس عائد کرنے میں اصول عدل کو ملحوظ رکھا جائے۔ مدنی ریاست کے والی نے غیر مسلموں سے بھی ٹیکس کی وصولی میں اصول عدل کو مد نظر رکھا۔ اس لیے ضروری ہے کہ افراد معاشرہ کی آمدنیوں کے مطابق ٹیکس عائد کیے جائیں۔

☆ زکوۃ اسلامی ریاست کا ایک اہم ٹیکس ہے اس کا نفاد حقیقی روح کے ساتھ کیا جانا ضروری ہے۔ اگر زکوۃ کا نفاد ہی درست طریقے سے کرلیا جائے اور امراءزکوۃ دینے پر رضامند ہوجائیں تو اس سے غرباء کی کفالت کے لیے کافی رقم جمع ہوسکتی ہے اور عوام ناجائز ٹیکسوں کی بھرمار سے بھی آزاد ہوسکتی ہے۔

☆ زکوۃ عائد کرنے کے بعد حکومت کو نظام ٹیکس کا جائزہ لینے کے بعد غیر ضروری ٹیکسوں کو ختم کرنا چاہیئے۔

☆ حکومت کو ٹیکس کی شرحوں میں اعتدال (Balance) کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

☆ عصر حاضر میں اگر حکومت اپنے نظام کو چلانے کے لیے ٹیکس لاگو کرنا چاہتی ہے تو اس کا از سر نو جائزہ لینا ہو گا۔ سیلز ٹیکس کے لیے ایسی پالیسی وضع کی جانی چاہیے جس میں ٹیکس کا بوجھ صارفین کی طرف منتقل کرنے کی بجائے صنعت کار ہی کو آٹھانا پڑے۔ بظاہر یہ بات بد دیانتی کی پھیلتی ہوئی شرح کے پیش نظر مشکل نظر آتی ہے۔ کیونکہ حکومت اگر سرمایہ کار کے سالانہ منافع پر بھی ٹیکس لاگو کرتی ہے تو سرمایہ کار اپنی اشیاء کی مارکیٹ قیمت میں اس کے تناسب سے اضافہ کر دے گا۔ اس طرح ممکن ہے کہ

حکومت کے اس عمل سے مزید منافع سرمایہ کار کی جیب میں چلا جائے اس کے لیے حکومت کو قیمتوں پر بھی نظر رکھنی ہوگی تاکہ صارفین کو استحصال سے بچایا جاسکے۔

☆ عصر حاضر کے بجٹ میں اگرچہ کم آمدن والے کو انکم ٹیکس میں ریلیف دیا جارہا ہے تاہم عوام سے سیلز ٹیکس لازمی بنیادوں پر وصول کیا جارہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام کو سیلز ٹیکس میں ریلیف دیا جائے تاکہ اُن کی قوت خرید بہتر ہوسکے۔

☆ سرمایہ دار مختلف طریقوں سے کمپنیوں پر لاگو ٹیکس معاف کروالیتے ہیں اور دوسری طرف سیلز ٹیکس کا بوجھ صارفین کی طرف منتقل کردیتے ہیں۔ بڑے سرمایہ داروں پر عائد ٹیکس براہ راست وصول کرنا چاہیے اور ان کا رعایت نہیں دینی چاہئے۔

☆ جو سرمایہ دار ٹیکس چوری کرتے ہیں ان کو تعزیری سزائیں دی جانی چاہئیں تاکہ ٹیکس چوری کو کم کیا جاسکے۔

☆ ٹیکس کی وصولی اور اخراجات میں بددیانت افراد کی بجائے دیانتدار عملے کو تعینات کیا جائے تاکہ اس نظام میں بہتری آسکے۔

حوالہ جات

۱۔ ابن منظور۔ محمد بن مکرم، ابو الفضل، جمال الدین، افریقی ،لسان العرب، بیر توت(لبنان): دارالفکر، ط۔ن، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۲، ۲، ۲۲۰؛ الزبیدی ، محمد مرتضی، ابوالفیض، محبّ الدین، تاج العروس من جواہر القاموس، بیروت(لبنان): دار لفکر، ط۔ن، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۶، ۸/ ۴۷۷۔

2.taxation,the encyclopedia Americana,new York: Americana corporation,1949,30/288.

3.taxation, the encyclopedia Britannica, Cambridge: Cambridge university press,ed.11th,19911,26/458.

4. taxation: general, international encyclopedia of the social science(editor:sills, david l.), USA: the maxmillan company,1968,15/521.

☆نوے(۹۰) کی دہائی سے پاکستان میں آئی ایم ایف کے تعاون سے سٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پروگرام شروع کیا گیا ہے۔ اس پروگرام کے مقاصد میں ٹیرف میں معقول تبدیلیاں، آزادنہ در آمدات، شرح تبادلہ کا میکانزم، سیلز ٹیکس کے نظام میں وسعت، حکومتی اخراجات کو مربوط بنانا/شفاف بنانا، اعانوں میں کمی، مالی اصلاحات، پانی، گیس اوت بجلی کے بلوں کی تشکیل نو وغیرہ شامل ہیں۔

5.structural Adjustment and poverty in Pakistan (director:A.R kamel). Islamabad: Pakistan institute of development, 2003 pp.12-13.

☆اس پیراگراف کے تجزیے میں مذکورہ رپورٹ صفحہ نمبر ۱۳ پر دیے جانے والے جدول سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

6.Governmetnt of Pakistan, Pakistan economic survey 1997-98 islamabad: ministry of finance, p. xvi.

7. wto and evonomic reforms, globalization: wto, trade and economic liberalization in Pakistan,(Edited by M.aslam chaudary & eatzaz ahmed), Lahore: ferozsons LTD, Ed. 1st ,p.26.

8. Pakistan economic survey 2004-05,pp.51-53: ibid 2007-08,pp.62-63 تفضیل کے لیے ملاحظہ ہو

State bank of Pakistan, annual report 2008.09, statistical supplement,p.32.

۹۔ بجٹ تقریر، ۲۰۱۲ء۔۲۰۱۳ء، ص۸۔۹۔

http://www.finance.gpv.[k/budget/budget_speech_12_13(urdu_versiom.pdf retrieved 6-07-2013)

۱۰۔ ایضاً، ص۳۸۔

۱۱۔ ایضاً، ۱۵۔

۱۲۔ جامع ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی الامام العادل، ۱۳۲۹۔

۱۳۔ صحیح بخاری، کتاب لاحکام، باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح، ۱۵۰۷۔

۱۴۔ الحج،۲۲:۴۱۔

۱۵۔ التوبہ،۹:۴۰۔

۱۶۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزکوۃ، باب ماادی زکاۃ لیس بکنز،۱۷۸۹؛ جامع ترمذی، ابوب لزکاۃ، باب ماجاء ان فی المال حقاسوی الزکاۃ،۶۶۰۔

۱۷۔ الانفال،۸:۶۰۔

☆ سرکاری خزانہ کے مندرجہ بالا ذرائع اگر ریاست کی تمام ضروریات پوری نہ کرسکیں یا ہنگامی حالات رونما ہوں مثلاً جنگم قحط سالی، بے روزگاری وغیرہ تو اسلامی ریاست اہل ثروت پر ضرائب (ہنگامی ٹیکس) عائد کرسکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کے مال میں اس قدر حق فرض کردیا ہے جس قدر کہ ان کے فقراء کو کفایت کرسکے پس اگر فقراء بھوکے، ننگے اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اغنیاء اس فرض کی اداء میں مانع ہیں۔ (ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، ابومحمد (م۴۵۶ھ)، المحلی، مصر: ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ط۔ الاولی، ۱۳۵۰ھ، ۱۵۸/۶) ابن حزم نے فقراۃ کی اعانت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اگر بیت المال کا خزانہ اور مال فئے فقراء اور اہل ضرورت کی معازی ضرورت کو پورا نہ کرسکیں تو خلیفہ اہل ثروت پر مزید ٹیکس عائد کرکے ان کی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے اور اگر اہل دولت اس میں مانع ہوں تو جبر سے وصول کرسکتا ہے۔ (ایضاً۔ ۱۵۶/۶)

۱۸۔ ابن ہشام ، عبدالملک، ابومحمد، (م۲۱۸ھ)، السیرۃ النّبویۃ، بیروت (لبنان): داراحیاء التراث العربی، ط۔ الثالثۃ، ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ، ۱۶۹/۴؛ الطّبری، محمد بن جریر، ابوجعفر (م۳۱۰ھ)، تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ طبری، مطبعۃ الاستقامۃ، بیروت (لبنان): دار لکتب العلمیۃ، ط۔ الثانیۃ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء، ۱۸۱/۲۔

۱۹۔ السیرۃ النّبویۃ، ۱۷۱/۴۔

۲۰۔ جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب، رجاؤہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یکون وابوبکر ممن یدعی من جمیع ابواب الجنۃ، ۳۶۷۵۶۔

21. pakistan economic survey 2007-08. P.65:2012.13, p. 1.

۲۲۔ الذّریٰت، ۵۱:۱۹۔

۲۳۔ صحیح بخاری، کتاب لزکاۃ، بابوجوب الزکاۃ، ...، ۱۳۹۵، ص ۲۲۴۔۲۲۵؛ واخرجہ ایضافی کتاب، کتاب الزکاۃ، باب لاتوخذ کرائم اموال الناس فی الصدقۃ، ۱۴۵۸؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدعاء الی الشھادتین وشرائع الاسلام، ۱۲۱۔

۲۴۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب العشر فیما یسقی من ماء السّماء الماء الجاری، ۱۴۸۳؛ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب مایوجب العشر ومایوجب نصف العشر، ۲۴۹۰۔

۲۵۔ تاریخ الامم والملوک، ۱۴۰/۲۔

۲۶۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب لاتوخذ کرائم اموال النّاس فی الصدقۃ، ۱۴۵۸۔

۲۷۔ سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والفیء والامارۃ، باب فی اخذ الجزیۃ، ۳۰۳۸۔

۲۸۔ بجٹ تقریر ۲۰۱۲۔۲۰۱۳ء، ص ۳۵۔

۲۹۔ روزنامہ جنگ لاہور۔ ۱۳ فرورہ ۲۰۱۳ء۔

۳۰۔ الاعراف ۷:۱۵۶۔

۳۱: الروم ۳۰:۳۹۔

۳۲۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ، ۱۴۰۲۔

۳۳۔ ایضاً، ۱۴۰۳؛ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب مانع زکاۃ مالہ، ۲۴۸۳۔

۳۴۔ ایضاً، باب وجوب الزکاۃ، ۱۳۹۶۔

۳۵۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب اعطاء السید المال بغیر اختیار المصدوق، ۲۴۶۴۔

۳۶۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ۱۳۹۵؛ واخرجہ ایضافی کتاب الزکاۃ، باب لاتوخذ کرائم اموال الناس فی الصدقۃ، ۱۴۵۸؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدعالی الشھادتین وشرائع الاسلام، ۱۲۱؛ سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، ۱۵۸۴۔

۳۷۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ۱۴۰۰؛ سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب وجوبھا، ۱۵۵۶؛ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ، ۲۴۴۵۔

۳۸۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین البنی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، ۲۲۳۶۔

۳۹۔ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب العبداع فی مال سیدہ ولایعمل الاباذنہ، ۲۴۰۹، ص ۳۸۷: صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل، ۴۷۲۴؛ سنن ابوداوٗد، کتاب الخراج والفیءوالامارۃ باب مایلزم الامام من حق الرعیۃ، ۲۹۲۸۔

۴۰۔ الاعراف ۷:۳۱۔

۴۱۔ بنی اسرائیل ۱۷:۲۷۔

۴۲۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ....[الاعرافۃ:۳۲]؛ سنن ابن ماجہ، ابواب اللباس، باب البس ماشئت، مااخطاک سرف اومخیلۃ، ۳۶۰۵۔

۴۳۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب افتراش الحریر، ۵۸۳۷؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم استعمال انا الذھب والفضۃ، ۵۳۹۴۔

۴۴۔ سنن ابوداؤد، کتاب اللباس م باب من کرھہ، ۴۰۴۴؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال اناالذھب والفضۃ، ۵۳۸۸۔

۴۵۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی الکفاف والقناعۃ، ۲۴۲۷۔

۴۶۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ماادی زکاۃ فلیس بکنز، ۱۴۰۸۔

۴۷۔ ایضاً، باب من احبّ تعجیل الصّدقۃ من یومھا، ۱۴۳۰۔

حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات و دیگر انبیاء کرام

عبدالوحید میمن

ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

ABSTRACT:

The Holy Prophet Muhammad (S.A.W) is the one who attain Al.Muqam Al.Mahmud (the praised position in the hereafter)in paradise. Which will be given to one person only & that person will be our prophet (S.A.W).prophet Muhammad (S.A.W) has been favoured by God (Allah) to all man kind as a blessing from him.the status of prophet Muhammad (S.A.W) is so unique that Allah himself and his angles send blessings on him, followin are few praises and aspects of his personality in the light of Quran and Hadees.

Every one should act upon the teaching's of the holy Prophet (S.A.W) to get success in this world ad the life of here after.

الحمد للہ رب العلمین ولاعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی محمد واصحابہ واجمعین

تمام تعریفیں اس ذات کیلئے جس نے اس امت پر احسان عظیم فرماتے ہوئے بنی کریم ﷺ کو معبوث فرمایا جن کے آنے سے ظلم وستم، جبر وتشدد اور غلط رسومات کا خاتمہ ہوا۔

اللہ رب العزت کا احسان عظیم ہے وہ اس قادر مطلق نے مجھ ناچیز کو اس کام کیلئے منتخب کیا کہ حضور اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات و دیگر انبیاء کرام کہ سابقہ تقابل نے موضوع پر چند گزارشات لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ بندہ اپنی ناقص اور کمزور معلومات کی بناء پر اس مضمون کا احاطہ کرنے کی کوشش کر رہاہے جبکہ حضور اکرم ﷺ کی تمام خصوصیات وسیرت کا احاطہ ممکن نہیں۔ اس طرح اہل یورپ نے باوجود غیر مسلم ہونے کے حضور اکرم ﷺ کی جن خصوصیات کا اعتراف کیاہے ان میں سے چند خصوصیات کو بھی اس مختصر تحریر میں پیش کی جائیں گی۔

سیرت کا لغوی معنیٰ:

لفظ سیرت دراصل سار یسیر سیر اً مسیر اً سے نکلا ہے۔ جس کے معنیٰ طریقہ راستہ جانا چلنا، ہئیت و حالت کے ہیں یہ لفظ قرآن مجید میں بھی بمعنیٰ ہئیت بیان کیا گیا ہے۔(۱) جیسے دیکھا سنعید ھا سیر ۃ ھا الا ولیٰ(۲) ترجمہ ” : ہم اسے پہلی حالت پر لوٹا دینگے “۔

سیرت کے اصطلاحی معنیٰ:

سیرت کے اولین اصطلاحی معنیٰ انحضرت ﷺ کے مغازی اور سوانح حیات ہیں ابتداء میں عرب کی عام روایت میں مغازی کا رواج ہوا جن میں حضور ﷺ کی فتوحات اور معرکہ کا ذکر ہوتا تھا لیکن بعد از خلفائے راشدین نے سیرت میں ان پہلوؤں پر زور دیا جن کا تعلق اکثر شرعی احکام سے تھا مگر (۳)

آج کل عام اصطلاح میں اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی اور جملہ حالات کا بیان یعنی سوانح حیات ہیں اور اس لفظ کا اطلاق انحضرت ﷺ کے حالات وافکار و تعلیمات کے مجموعے پر ہوا ہے۔

سیرت کی ضرورت:

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اس حیثیت سے ہمارے لیئے ضروری ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ الحالاتِ زندگی جاننے کے لیے کوشش کریں جس نے اللہ کی طرف سے ہمیں حق کا، ہدایت کا پیغام دیا اور کفر کی تاریکیوں میں اسلام کی روشنی عطا کی جو شخص ہمارا محسن اعظم ہے جس کی آواز پر ہم نے لبیک کہا ہے وہ کون ہے ؟ کب پیدا ہوا؟ کہاں پیدا ہوا؟ اسکا پیغام کیا ہے؟ اس پاک ہستی کو اپنے مشن کی تکمیل میں کتنے مصائب برداشت کرنے پڑے کس قدر تکلیفیں برداشت کیں؟

ان تمام سوالات کے جوابات ہمیں سیرت کے مطالعے ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں ہمارا ایمان ہے کہ قرآن پاک کا ہر حکم واجب العمل ہے اس مقدس کتاب کا حکم ہے کہ:

”وما اتکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتھوا“ (۴)

ترجمہ ” : اور جو تم کو رسول عطا کرے (جو حکم دے) اسے لے لو (اسے تھام لو) اور جس چیز سے تم کو روکے اس سے رک جاؤ“۔

اس لیئے کہ ”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ“ (۵) ترجمہ: ”تحقیق تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے“ اور اس لیئے بھی کے ”وما ینطق عن الھویٰ ان

ھو الا وحی یوحیٰ "(٦) ترجمہ: "وہ اپنی خواہش سے کبھی بات نہیں کرتے مگر وہ جو انکی طرف وحی کی جاتی ہے"۔اس لیئے قرآن پاک نے یہ اعلان فرمایا: "من یطیع الرسول فقد اطاع اللہ"(٧) ترجمہ:"جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی پس تحقیق (اس نے) اللہ عزوجل کی اطاعت کی"۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ بحیثیت مسلمان ہم سیرت کے مطالعے کے پابند ہیں۔سیرت کی ضرورت انسانی حیثیت سے بھی ہے قرآن پاک میں ہے کہ:

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "(٨)

ترجمہ: "(بے شک) ہم نے آپ کو عالمین کے لیئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

قرآن پاک نے جو دعوہ کیا ہے ایک انسان کے لیئے ضروری ہے کہ وہ حیات پاک میں اس دعوے کی صداقت تلاش کرے۔

سیرت کے اہم ماخذ:

سیرت نبوی ﷺ کے دو اہم ماخذ ہیں پہلا ماخذ قرآن کریم ہے جس کی صحت اور جس کا درجہ اسناد شک وشبہ سے بالاتر ہے آپ کی زندگی کے اہم پہلوں کے لیے صحیح معلومات قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہیں آپ کی یتیمی کا دور قبل از نبوت کی زندگی معراج کا واقعہ ہجرت کے وقائع، فتح مکہ اور غزوات کا ذکر وغیرہ، ایک مرتبہ حضرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے کہا گیا کہ آپ ﷺ کے اخلاق پر روشنی ڈالیں آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا قرآن پاک کا مطالعہ کرو قرآن پاک آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ کی صحیح تفسیر ہے۔بہت سے علماء کرام نے قرآن پاک سامنے رکھ کر حیات رسول ﷺ مرتب کر دی ہے۔

دوسرا ماخذ حدیث نبوی ﷺ ہے صحابہ کرام کو آپ ﷺ کی ذات پاک سے عشق تھا آپ ﷺ کی ہر ادا، آپ ﷺ کی ہر بات اور آپ ﷺ کی کیفیت ان کے دلوں پر نقش ہو جاتی تھی دلوں سے نکل کر زبان پر آتی اور زبان یہ امانت کتابوں کو سپرد کر دیتی اور اس طرح حدیث کی اہم مستند کتابوں کا خزانہ آج ہمارے پاس موجود ہے۔(٩)

سیرت و تاریخ:

تاریخ عالم کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا میں کسی شخصیت کے حالات اور اقوال اس اہتمام اور تفصیل سے محفوظ نہیں کئے گئے ہیں۔جیسے آنحضرت ﷺ کی سیرت کے لیئے کیے گئے

ہیں۔ محدثین، محققین، مورخین اور ارباب سیر کی پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کے سلسلے میں کی جانے والی انتھک محنت و کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے مستشرق اسپرنگر نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ (۵) لاکھ شخصوں (افراد) کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ محض ایک علمی مشغلہ نہیں ہے بلکہ ایک مذہبی ضرورت بھی ہے جو رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ" (۱۰)

دنیا میں آج تک کسی بھی انسان کی سیرت پر لاتعداد کتب ضبط تحریر میں نہیں آئیں اور نہ ہی اتنا تحقیق شدہ کام ہوا ہے جتنا انحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ پر ہو چکا ہے۔

آپ ﷺ کے حالات زندگی قلمبند کرنے والے سیرت نگاروں میں آپ ﷺ پر ایمان لانے والے جانثار عقیدت مندوں کے علاوہ رسالت کے منکر سخت نکتہ چینی اور انتہائی دشمن بھی شامل ہیں ۔ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص نقطہ نظر سے آپ ﷺ کی سیرت کے کسی نہ کسی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتا ہے یہ گہرا لگاؤ اور عام دلچسپی صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات تک مخصوص ہے ورنہ تو دنیا میں بہت سی ایسی شخصیات گزری ہیں جنہوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے اور انسانی قلوب پر بڑے گہرے نقوش چھوڑے ہیں ان میں سے کسی بھی شخصیت کی زندگی کے مختلف گوشوں پر اتنی بحث نہیں کی گئی اور نہ اتنی کتب تصنیف ہوئیں جتنی پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ پر لکھی گئی ہیں۔(۱۱)

فضیلت کے قرآنی اصول:

تمام ارباب مذاہب میں سے ہر ایک کو اپنا مذہب اس قدر عزیز ہے جسے دوسرے کو۔اس لیئے اگر یہ سوال کیا جائے کہ دنیا میں کون کون سی ہستی تھیں جس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائیں آئیں گی لیکن یہی سوال اس پیرا میں بدل دیا جائے کہ دنیا میں وہ کون سا شخص گزرا ہے جس کا کارنامہ زندگی اس طرح قلمبند ہوا کہ ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی صحیفہ آسمانی کے لیے بھی نہ ہو سکا اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ

اقوال و افعال ، وضع قطع، شکل شبہات، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرزِ زندگی، طریقِ معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی ہو تو اس سوال کے جواب میں صرف وصرف ایک ہی صدا بلند ہو سکتی ہے۔(۱۲)

محمد عربی فداہ امی و ابی

جیسا کہ قرآن پاک نے بھی آپ ﷺ کی فضیلت کی برتری کو واضح بیان کیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تلک الرسول فضلنا بعضھم علیٰ بعضٍ منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات (۱۳)

ترجمہ" : وہ رسولان گرامی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے (بلاواسطہ) کلام کیا اور ان میں سے بعض کے (بے شمار) درجے بلند کئے۔"

مفسرین کرام فرماتے ہیں کے "و رفع بعضھم درجات" سے آنحضرت محمد ﷺ مراد ہیں کیونکہ حضور ﷺ سرخ اور سفید یعنی تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہیں۔ آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بے شمار معجزے ظاہر ہوئے۔(۱۴)

اسوہ حسنہ:

اسلام سے پہلے دنیا تاریکی راہوں پر گامزن تھی لیکن سرور کائنات ﷺ جس روز دین حق کا پیغام لے کر دنیا میں تشریف لائے وہ دن دنیا کے لیے روشنی کے ظہور کا دن تھا اس نئ روشنی کی برکت تھی کہ اس نے انسانوں کو وہ عقیدہ اور تصور دیا جو سراسر مکارمِ اخلاق اور فضائل و محاسن کا مجموعہ تھا جس نے انسانیت کے وجود کو افراط و تفریط کے گرداب سے نکال کر اعتدال پر فائز کیا اور عزت و تکریم کے اعلیٰ مرتبے سے ہمکنار کیا جمہوریت کو رواج دے کر حقوق انسانی کی حد بندی کی اور اسلام کی بدولت دنیا میں ایک نئے تمدن اور ایک نئ تہذیب نے جنم لیا اور فرسودہ نظام بدل کر رکھ دیا اور انسانوں کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی جس نے فرد اور جماعت کے درمیان الفت و محبت ، اخوت و تعاون کے جذب مقناطیس کو نشوونما بخشی اور ایک ایسے جہاں نو کی ایجاد کی جو بغض و عداوت کی آلودگیوں سے مبرا اور تعصب و تنگ نظری کے جذبات سے پاک ہوا، اور نوع انسان کے لیے امن و سلامتی کا گہوارہ ثابت ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ تمام خاص و عام کے لیے قابل تقلید ہے اور آپکی حیات مبارکہ ایک کھلی کتاب کی مانند ہے جس کا ہر کوئی مطالعہ کر سکتا ہے کہ اور رہنمائی حاصل کر سکتا ہے آپ ﷺ کی

زندگی کے کسی دور کا حال پوشیدہ نہیں بلکہ سیرت مبارکہ کا معمولی سا واقعہ بھی مستند ذرائع اور عینی شاہدوں کے ذریعے ، تاریخ وکتب سیرت کے صفحات میں میں محفوظ ہے اس کے علاوہ قرآن کریم سے بھی آپ ﷺ کے اخلاق وعادات واضح ہیں جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا "کان خلقة القرآن" (۱۵) کہ بنی کریم ﷺ کے اخلاق کا حال معلوم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ قرآنِ کریم ہے۔

امتیازات وخصوصیات النبی ﷺ:

امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفی ﷺ تمام کائنات میں اعلیٰ وارفع انسان کامل بلکہ تمام ترنسلِ انسانی کے رہبر ورہنما بن کر تشریف لائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو شرف وفضیلت آپ ﷺ کو ملی وہ کسی دوسرے انسان کو کیا بلکہ کسی پیغمبر کے حصہ میں بھی نہیں آئی ذیل میں آپ ﷺ کے چند خصائص و فضائل قرآن وحدیث کی روشنی میں ضبط تحریر میں لائے جاتے ہیں۔

اولیت:

حضور اکرم ﷺ اوّل مخلوق ہیں:

حضور اکرم ﷺ کی سب سے اعلیٰ واکمل فضیلت یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی روحِ پر انوار کو ساری مخلوق کی ارواح اقدس سے پہلے تخلیق فرمایا جیسا کہ ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابوھریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ "اول ماخلق الله وحی وسائر الا روح ۔ انما خلق ببركة روحه و نورو جوده" ا(۱۶) ورعالم ارواح میں انبیاء علیھم السلام کی ارواح مقدسہ کو آپ ﷺ کی رُوح پرانوار نے مستفیض فرمایا:

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"واذاخذنا من النبين ميثاقهم ومنك ومن نوح۔۔۔الخ"(۱۷)

ترجمہ :اور یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح(علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) سے اور موسیٰ(علیہ السلام) سے اور عیسیٰ بن مریم(علیھما السلام) سے اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا۔

محی السنۃ علامہ خازن رحمہ اللہ اسی آیت کے ماتحت تفسیر خازن، جلد ۳، صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں کہ ترجمہ:

اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر پہلے کیا حضور اکرم ﷺ کی تعظیم و فضیلت کے لیے اور اس وجہ سے جس کو امام بغوی نے باسنادِ ثعلبی ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں پیدائش میں انبیاء سے (مقدم) اوّل ہوں اور (مبعوث ہونے میں یعنی) تشریف آوری میں ان سے آخر ہوں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک میں ہے:" واذاخذنا من النبیین میثاقھم ومنك ومن نوح" اسی لیے پہلے حضور اکرم ﷺ کا ذکر کیا۔(۱۸)

حافظ الحدیث عبد الرزاق ابو بکر ہمام نے اپنے مصنف میں حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنھما سے روایت کی ہے کہ:

الحدیث :ترجمہ و مفہومِ ترجمہ:

"میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ حضور اکرم ﷺ پر قربان! مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی؟ فرمایا اے جابر! بے شک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ وہ نور قدرتِ الٰہی سے جہاں اللہ نے چاہا دورہ کرتا رہا، اُس وقت لوحِ قلم، جنت و دوزخ، فرشتگان، آسمان و زمین، سورج چاند، جن و انس (آدمی) کچھ بھی نہ تھا"۔(۱۹)

مجدد الف ثانی کے مکتوب:

میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے جبرئیل امین سے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے تو جبرئیل امین نے عرض کی کہ میں یہ نہیں جانتا مگر یہ جانتا ہوں کہ ایک روشن ستارہ جو ستر ہزار سال بعد چمکتا تھا اسکو ستر ہزار بار دیکھ چکا ہوں۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا! " وہ میں ہی تھا"۔(۲۰)

ایک اور جگہ حضور اکرم نے فرمایا: کنت نبیا ماکان الادم بین الماء والطین(۲۱)

ترجمہ" :میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے"۔

جب تک حضور اکرم ﷺ کی روح کا آفتاب پردہ غیب میں رہا انبیاء علیھم السلام کے ستارہائے درخشاں آپ ﷺ کے نور سے منور ہو کر عالمِ ظہور میں جگمگاتے رہے۔ جب آپ ﷺ کی نبوت کے آفتاب نے طلوع و ظہور فرمایا تو وہ روپوش اور مخفی ہو گئے بعینہ اسی طرح جیسے رات میں ستاروں کا

رنگ و روپ چمکتا و دمکتا ہے اور جب سورج چمکتا دمکتا ہے اور یہ سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ ماند پڑ کر مخفی ہو جاتے ہیں:(۲۲)

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی ﷺ (۲۳)

رحمت عالم ﷺ:

حضور اکرم ﷺ کو کائنات بلکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ارشاد ربانی ہے کہ:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (۲۴)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا''۔

آپ کی رسالت تمام جہانوں کے لیے رحمت بنادی گئی جو شخص آپکا مطیع و تابع فرمانبردار بن جاتا ہے وہ دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بہرہ ور ہو جاتا ہے آپ ﷺ اپنوں کے لیے تو رحمت تھے اور ہیں بھی مگر بیگانوں کے لیے بلکہ شب و شتم کرنے والوں کے لیے بھی رحمت تھے اور ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے ان کے لیے بھی کی دعا فرمائی حدیث میں آتا ہے کہ:

''انی لم ابعث لعانا و انما بعثت رحمة''(۲۵)

ترجمہ: ''میں لعنت کرنے والا بن کر نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔

نبی کریم ﷺ عرش عظیم پر:

حاکم بیہقی اور طبرانی رحمھم اللہ علیھم صغیر میں اور ابو نعیم و ابن عساکر رحمھما اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا''جب آدم علیہ السلام سے بھولے سے لغزش ہو گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اے رب کریم حضرت محمد ﷺ کے صدقے و طفیل مجھے معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم علیہ السلام محمد ﷺ کو تم نے کیسے پہچان لیا انہوں نے عرض کیا جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں روح پھونکی میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ تو نے اپنے نام پاک کے ساتھ کسی ایسی ذات عالی کے اسم گرامی کو ملایا ہے جو ساری مخلوق میں تجھے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم علیہ السلام تو نے سچ کہا اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا نہ کائنات کو۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے۔ اللہ عزو جل فرماتا ہے:

''لولاک لما خلقت الافلاک''(۲۶)۔

مفہوم ترجمہ: اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو زمین و آسمان کو بھی پیدا نہ کرتا۔ اس حدیث قدسی کے یہی معنی ہیں کہ یعنی یہ تمام کائنات اور عالم اجساد صدقہ وجودِ باوجود جنابِ محمد ﷺ کا۔

محور، مرکزِ ایمان انبیاء:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ'' : واذ اخذ اللہ میثاق النبیین'' (۲۷)

ترجمہ :اور اے رسول یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں پھر تمھارے پاس وہ عظیم رسول آجائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمھارے پاس ہے تو تم ان پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار (کیا) کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا: ''پس گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گوہوں میں سے ہوں''۔(۲۸)

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو وہ فضیلت و کرامت عطا فرمائی جس میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کیا اور آنحضرت ﷺ کو اس فضیلت اور شرافت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و مرسلین سے ممتاز فرمایا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھی دنیا میں بھیجے انہیں حضور اکرم ﷺ کا نام اور آپ ﷺ کے اوصاف بتا دیئے اور ان سے عہد لیا کہ اگر ان کی زندگی میں خاتم الانبیاء کا ظہورِ قدسی ہو (کہ وہ سیدِ عالم کو پالیں) تو آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے، اور آپ ﷺ کی مدد کریں گے کیونکہ آپ ﷺ ہی اشرف الانبیاء اور آپ ﷺ ہی افضل و بشر ہیں۔(۲۹)

حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کا ہمارے نبی کریم ﷺ کی آمد کی بشارت:

سورۃ الصف کی آیت نمبر ۶ میں فرمایا! ''واذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انّی رسول اللہ الیکم مصدّ قالّما بین ید یّ من التّوراۃ ومبشّرا برسول یا تی من بعدی اسمہ احمد''(۳۰) اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس عظیم رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔

حدیث: ”عن جبیر بن معطم عن ابیہ قال ۔قال رسول ﷺ لی خمستہ اسماء انا محمد ، واحمد ،وانا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر ،وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی ، وانا العاقب“(۳۱)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں اور احمد ہوں اور میں ماحی ہوں، اللہ میرے سبب سے کفر مٹا دے گا اور میں حشر ہوں لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں۔

امام بیہقی نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ اے ابو داؤد! تیرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد ﷺ اور محمد ﷺ ہو گا جو نبی برحق ہو گا نہ کبھی میں اس پر ناراض ہوں گا اور نہ کبھی وہ میری نافرمانی کرے گا اس پر لگائے گئے اگلے پچھلے تمام الزامات میں دور کروں گا اس کی اُمت وہ اُمت مرحومہ ہو گی جنہیں میں نفلی عبادات دوں گا جیسے انبیاء کو دیں دوسرے انبیاء ورسل کی طرح میں ان پر چند فرائض عائد کروں گا۔ حتیٰ کہ جب وہ بروز قیامت میری بارگاہ میں حاضر ہوں تو انبیاء کے نور کی طرح ان کے پاس بھی نور ہو گا یہ نرالی شان اس لیئے ہو گی کیونکہ میں دیگر انبیاء کی طرح ان پر لازم کروں گا کہ وہ ہر نماز کے لیے پہلے طہارت حاصل کریں میں انہیں حکم دوں گا کہ وہ جنابت کا غسل کریں جیسا کہ میں انبیاء کو حکم دیا تھا۔ اسی طرح انہیں حج اور جہاد کا حکم دوں گا جیسا انبیاء اور رسل کو حکم دیا تھا۔ اے داؤد میں نے تمام امتوں پر محمد ﷺ اور ان کی امت کو فضیلت بخشی ہے میں نے سات (۷) ایسی فضیلتیں عطا فرمائیں ہیں جو کسی اور امت کے حصے میں نہیں آئیں بھول چوک کی صورت میں ان کا مواخذہ نہیں کروں گا۔(۳۲)

امام بیہقی اور ابن عساکر کے علاوہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اوسط میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ختم الرسل مولائے کل ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ میرے پاس جبرائیل امین نے آکر کہا:

”قلبت الارض مشارقا ومغاربھا فلم اجد رجلا افضل من محمد ولم اجد اب افضل من بنی ھاشم “(۳۳)

ترجمہ :میں نے زمین کے مشرق ومغرب کا چپہ چپہ چھان ڈالا اور بڑے بڑے حسن و جمال اور افضل و کمال والے دیکھے مگر حضرت محمد ﷺ فداہ ابی وامی سے زیادہ حسن و جمال (اور افضل و اکمل) فضل و کمال والا مجھے کہیں بھی نظر نہ آیا اور بنو ھاشم سے افضل کوئی خاندان دکھائی نہ دیا۔

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے سبھی میں نے دیکھ ڈالے تیرے پائے کا نہ پایا تجھے یک نے یک بنایا تجھے حمد ہے خدایا(۳۴)

امام بیہقی اور ابن عساکر حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو انہیں ان کی اولاد دکھائی آپ دیکھتے رہے کہ سب لوگ فضائل و مراتب میں متفاوت ہیں پھر آپ نے آخر میں ایک درخشاں نور دیکھا تو پوچھا یارب من ھذا؟ پروردگار یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ھذا ابنک احمد وھو آخر وھو اول شافع (۳۵)

یہ تمھارے فرزند ارجمند احمد (ﷺ) ہیں جو اول بھی ہیں اور آخر بھی اور قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے۔

آپ ﷺ کی چشم پاک کی امتیازی خصوصیت:

عبد الرزاق رحمتہ اللہ علیہ اپنی جامع میں نیز حاکم اور ابو نعیم رحمھما اللہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ عسلم نے فرمایا بے شک میں اپنے پیچھے اس طرح دیکھتا ہوں جیسے اپنے آگے دیکھتا ہوں۔

سایہ نظر نہ آنے کی خصوصیات:

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یری له ظل فی شمس ولا قمر (۳۶)

حکیم ترمذی رحمتہ اللہ علیہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم پر نور شافع یوم النشور ﷺ کا سایہ نہ سورج کی دھوپ میں نظر آتا تھا اور نہ ہی چاند کی روشنی میں۔ ابن سبع رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بنی مکرم کے نور مجسم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور آپ ﷺ نور تھے جب آپ ﷺ سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ ﷺ کا سایہ دکھائی نہ دیتا۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ ہونے کی دلیل نبی کریم ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ بھی ہیں:

"اللھم اجعلنی نور" ۔۔۔۔۔ "اللہ مجھے نور بنادے"۔

نطقِ رسول ﷺ:

آپ کا کلام وحی الہی سے ہے رسول کریم ﷺ نے شریعت مطہرہ کا جو بھی اصول پیش کیا ہے وہ اپنی خواہش یا مرضی سے نہیں بلکہ آپ ﷺ نے جب بھی کلام کیا وحی الہی سے کیا ہے کیونکہ قرآن پاک میں صرف آپ ﷺ کے قول کو ہی وحی کہا گیا ہے جیسا کہ:

"وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی" (۳۷)

ترجمہ: آپ ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے بلکہ (جو بات کرتے ہیں) وہ صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے معراج کا جو واقعہ بیان کیا اس سارے واقعہ میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی بلکہ جو کچھ دیکھا یا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے دل پر وحی نازل کی اسے بیان کر دیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ:

"فاوحٰی الیٰ عبدہ ما اوحیٰ"۔(۳۸)

ترجمہ: "پس اللہ نے اپنے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی"۔

رفع ذکر:

تمام انبیاء میں ختم المرسلین سیدنا محمد ﷺ کو ایک ایسا منفرد مقام حاصل ہے جو رفعت و مرتب آپ ﷺ کے حصے میں آئی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ورفعنا لک ذکرک۔(۳۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا

صرف آپ ﷺ کے ذکر کو (سب سے زیادہ) بلند کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ ﷺ کا نام بھی وضو، آذان، خطبہ، نماز، درود و سلام وغیرہ میں لیا جاتا ہے اور جتنا آپ ﷺ کو یاد کیا جاتا ہے پوری دنیا میں کسی کو بھی اتنا یاد نہیں کیا جاتا، بعض حضرات تو ہزاروں مرتبہ ہر روز آپ ﷺ پر دوردو پاک پڑھتے ہیں۔(۴۰) رفعت و مرتبت کے بارے میں مداحِ رسول ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک شعر قندیل کا کام دے گا۔

وضم الا الہ اسم النبی مع اسمعہ اذا قال فی الخمس الموذن اشھد

ترجمہ: معبود (اللہ) نے نبی کریم ﷺ کے اسم کو اپنے اسم کے ساتھ ضم کر لیا۔ جب موذن پانچ نمازوں میں اشھد کہتا ہے:

یعنی موذن ایک دن میں پانچ (۵) مرتبہ آذان و تکبیر کہتا ہے تو اس میں کہتا ہے اشھد ان لا الا اللہ تو اس کے ساتھ یہ کلمہ بھی کہتا ہے اشھد ان محمد رسول اللہ اور یہ عمل پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہیں دھرایا جاتا ہے قیامت کے قائم ہونے تک یہ سلسلہ قائم و دائم رہے گا اور مسلمان نام محمد ﷺ کا پرچم بلند کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کا تذکرہ اپنے ذکر کے ساتھ خاص کر دیا اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت لازم قرار دے دی ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

یا ایھا الذین امنو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول (۴۱)

ترجمہ” :اے ایمان والوں اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو“

معراج مصطفی ﷺ:

اخص خصائص، اشرف فضائل و کمالات میں سے اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کو اسریٰ و معراج کے ساتھ مخصوص و مشرف فرمانا ہے کیونکہ کسی نبی یا رسول کو اس مشرف و مکرم نہ کیا گیا اور جس مقام علیا تک آپ کی رسائی ہوئی اور جو کچھ وہاں دکھایا گیا کوئی اور ہستی کبھی وہاں تک نہ تو پہنچی اور نہ دیکھا ہے جیسا کہ :

ارشاد باری تعالیٰ ! ”سبحن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الیٰ المسجد الا قصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیاتنا انہ ھو السمیع البصیر“۔ (۴۲)

ترجمہ :پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ خاص کو رات کے تھوڑے عرصے میں مسجد الحرام سے مسجد القصیٰ تک لے گیا وہ جس کے گرد (اگر) ہم نے برکتیں رکھیں تا کہ دکھائیں ہم انہیں اپنی نشانیاں بے شک وہ سنتا و دیکھتا ہے۔

اسریٰ کے معنی:

اسریٰ کے معنی ہیں لے جانا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ اس کا منکر کافر ہے کیونکہ یہ اللہ عزوجل کی کتاب سے ثابت ہے۔ پھر وہاں سے آسمان پر لے جانے کا نام معراج ہے۔ یہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ (۴۳)

اور معراج پر بلا کر آپ ﷺ کو اتنا قریب قرب عطا کیا گیا کہ خود قرآن پاک نے قرب کو بیان کرتے ہوئے اسکی تصدیق فرمائی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ:

ثم دنا فتدلیٰ۔۔۔فکان قاب قوسین او ادنیٰ (۴۴)

ترجمہ: پھر وہ (اللہ تعالیٰ نبی سے) زیادہ قریب ہوا پھر زیادہ قریب ہوا تو وہ (نبی اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار قریب ہوگئے یا اس سے بھی زیادہ۔

راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق: مذہب صحیح یہی ہے کہ وجودِ اسریٰ و معراج سب کچھ بحالتِ بیداری اور جسم کے ساتھ تھا۔

اللہ عزوجل اور فرشتے آپ ﷺ کے ثناء خواہ:

جس مالک و خالق کائنات نے پوری دنیا، جنت و دوزخ، جن و انس اور اٹھارہ (۱۸) ہزار مخلوقات الغرض عالمین کے ذرے ذرے کا پیدا فرمایا وہ مالکِ دوجہاں خود خدا جلِ شانہ اپنے حبیبِ کبریا حضرت محمد ﷺ کا ثناء خواں بھی ہے اور اسکے فرشتے بھی آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔
جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ان اللہ و ملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین اٰمنو صلوا علیه وسلمو اتسلیما۔(۴۵)

ترجمہ: اللہ اور اسکے فرشتے (ملائکہ) نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔اے لوگوں جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

اللہ عزوجل اور اس کے ملائکہ نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے اپنے نبی پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ پر بے حد مہربان ہے۔ آپ کی تعریف فرماتا ہے، آپ ﷺ کے کام میں برکت دیتا ہے آپکا نام بلند کرتا ہے اور آپ ﷺ پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا ہے اور ملائکہ کی طرف سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ سے غایت درجے کی محبت رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے شب و روز دعا کرتے رہتے ہیں کہ رب العلمین محمد ﷺ کا مرتبہ اور زیادہ اونچا کر اور اسکے دین کو اور زیادہ فروغ دے۔اس آیت کی مزید تفسیر بیان کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر تفہیم القرآن نے لکھا ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں اس (یعنی حضرت محمد ﷺ) پر (بہت) مہربان ہوں اور ساری کائنات کا نظم و نسق جن فرشتوں کے ذریعے چل رہا ہے کہ وہ سب سے زیادہ اس کے حامی اور ثناء خواں ہیں۔

اور اس آیت میں اہلِ ایمان کو آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کے بارے میں دورود سلام پڑھنے کے مختلف انداز خود نبی پاک ﷺ نہ اہلِ ایمان کو سکھائے۔

صاحبِ تفسیر تفہیم القرآن فرماتے ہیں کہ یہ امر کہ حضور اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا سنتِ اسلام ہے جب آپ ﷺ کا نام آئے اس (درود) کا پڑھنا مستحب ہے اور خصوصاً نماز میں اس کا پڑھنا مسنون ہے اس پر تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ اس امر پر بھی اجماع ہے کہ عمر میں ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں اسکا حکم (مذکورہ آیت میں) دیا ہے۔ (۴۶)

خدا سے محبت کی عملی راہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب بنانے کے لیے آپ ﷺ کی غلامی کو شرطِ اوّل قرار دیا گیا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعو بی یحببکم اللہ۔۔ الخ (۴۷)

مفہوم ترجمہ: اے نبی ﷺ لوگوں سے کہہ دو کہ "اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، (تو) اللہ تم سے محبت کرے گا۔

خود رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکت سے محبت بھی اسی لیے دنیا بھر کے انسانوں پر فائق و برتر ہو گئی کہ ان کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا راستہ ملا۔ (۴۸)

حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین (۴۹)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ، بیٹے اور پورے عالم انسانیت سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔

محافظِ قرآن خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ:

حضرت آدم (علیہ السلام) سے لیکر آپ ﷺ نبی آخر الزمان تک کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام و مرسلین اس دنیا پر تشریف فرما ہوئے اور آپ ﷺ کی طرح سابقہ انبیاء کرام میں سے بھی کسی کو الہامی صحائف (صحیفے) تو کسی کو الہامی کتب سے نوازا گیا ان میں سے مشہور کتبِ سماوی توریت، زبور، انجیل، قرآنِ مجید ہیں۔ مگر قرآنِ مجید کے علاوہ کسی بھی نبی کے صحیفے یا آسمانی کتابوں کی

حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ نہیں لیا اور ان صحیفوں و آسمانی کتب میں ان انبیاء کرام السلام کی اُمتوں نے تحریف کر دی جسکی وجہ سے آج کوئی بھی آسمانی کتاب اپنی اصل حالت پر برقرار نہیں ہے مگر قرآن کی حفاظت خود اللہ نے اپنے ذمے لے لی کیونکہ جب قرآن نازل ہونے شروع ہوا تو اہلِ مکہ (کفارِ قریش) نے قرآن کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ منزل من اللہ نہیں بلکہ (نعوذ باللہ) خود نبی پاک ﷺ کا من گھڑت کلام ہے اور ہر وقت اسکا انکار کرتے رہتے تھے تو اس کے بعد آپ ﷺ کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کے سابقہ آسمانی کتب کی طرح اس میں بھی تحریف کر کے اصل کلام کو قرآن سے مٹا دیا جائے یا کہیں اصل قرآن کو ہی نہ ختم کیا جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون (۵۰)

ترجمہ :بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کو نہایت پرزور الفاظ میں تسکین و تسلی دی گئی ہے کہ یہ لوگ (قریش) اس قرآنِ عظیم کی قدر نہیں کر رہے ہیں تو تم اسکا غم (فکر) نہ کرو۔ یہ کتاب تمہاری طرف سے کسی طلب و تمنا کے بغیر ہم ہی نے آپ ﷺ پر اتاری ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اگر یہ لوگ اس کو قبول کرتے ہیں تو اس میں انکی اپنی ہی دنیا و آخرت کی سعادت ہے، اور اگر یہ اپنی بدقسمتی اور شامتِ اعمال سے اس کو رد کر دیتے ہیں تو دوسرے اس کو قبول کرنے کے لیے آگے بڑھیں گے چنانچہ جب قریش نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انصار کے سینے اسکے لیے کھول دیئے۔انہوں نے اسکو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسکی حفاظت کی راہ میں کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اس کی مزید تفسیر کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر ''تدبر قرآن''لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ کبریا محمد ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ پر اس کی ذمے داری صرف ابلاغ و تبلیغ کی ہے سو آپ ﷺ بس اسے ادا کیجئے۔رہا اسکی حفاظت اور اسکے قیام و بقا کا مسئلہ تو یہ ہم سے متعلق ہے اس کی حفاظت اور اس کے قیام و بقاء کا انتظام ہم کریں گے۔اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کن کن شکلوں میں پورا فرمایا۔تاریخ میں اس سوال کو پورا جواب موجود ہے اس کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں۔(۵۱)

مقام محمود و شفاعت کبریٰ:

گوشِ دل سے سننا چاہیئے کہ آنحضرت ﷺ اولین و آخرین کے سردار انبیاء و مرسلین سے افضل، بارگاہ ایزدی میں سب سے زیادہ معزز اور بعد از خدائے قدوس، تمام موجودات سے محبوب ترین ہستی ہیں اور حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ مقام و مرتبہ اور عزت و فضیلت حاصل ہے کہ کسی مخلوق کو اس میں شرکت یا ہمعصری حاصل نہیں ہے۔ آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہ و تابعین، ائمہ مجتھدین اور تمام علماءِ دین کے اقوال اس پر دال اور اس دعوے کی صداقت پر حجتِ قطعیہ اور برھانِ یقینی کا درجہ رکھتے ہیں۔ کسی مدعیِ اسلام کو اسکے خلاف مجالِ دم زدن نہیں ہے۔(۵۲)

قیامت کے دن اہل موقف طولِ وقوف کے سبب گھبر اجائینگے اور بغرضِ شفاعت دیگر انبیاء کرام علیھم السلام کے پاس یکے بعد دیگرے جائیں گے اور آخر کار حضور خاتم النبین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ ﷺ کو اہلِ موقف میں فصلِ قضاء کے لیے شفاعتِ عظمیٰ عطا ہو گی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔(۵۳)

ترجمہ: عنقریب آپ کا رب آپکو ایسے مقام پر پہنچادے گا جو نہایت ہی پسندیدہ مقام ہو۔

یہاں مقامِ محمود سے مراد شفاعتِ عظمیٰ و کبریٰ والا مقام ہے جب کوئی بھی (نبی) بات نہ کرپائے گا اسوقت نبی کریم ﷺ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر کے مخلوق، خلق کو تکلیف سے نجات دلائیں گے یہ حسن و کمال کا ایسا مقام (مقامِ محمود) جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالمگیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی۔ اس وقت مخلوق کی زبانوں پر آپ ﷺ کی تعریف و مدحت ہو گی (پر) لیکن خالق بھی اپنے حبیبِ کبریا ﷺ کی ثناء بیان کرے گا گویا اس وقت محمدی ﷺ شان کا پورا پورا ظہور ہو گا۔(۵۴)

صرف آپ ﷺ کو ہی کوثر عطا کیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ! ”انا عطینك الكوثر“ (۵۵)

اور عطا کی ہوئی چیز واپس نہیں لی جاتی تو گویا آخرت میں بخشش کرانے کا پورا اختیار آپ ﷺ کو دیا گیا۔

کاملیت و خاتم الانبیاء:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا“ (۵۶)

اللہ عز و اجل نے خود حضور ﷺ کی زبانِ اقدس سے کھلوایا: آج میں نے تمھارے لیئے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمھارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے انبیاء کا ایک سلسلہ شروع کیا جو خاتم الانبیاء سیدنا محمد ﷺ پر ختم ہو جاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا میری مثال اور دوسرے انبیاء کی مثال ایک (ایسے) محل کی سی ہے جیسے خوب خوب بنا دیا گیا تھا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ دیکھنے والے آتے تھے محل کی عمدگی اور اس خالی جگہ کے متعلق سوال کرتے تھے اب میں ہوں جس نے خالی جگہ کو پُر کر دیا ہے میرے ذریعے عمارت مکمل ہوئی اور مجھ پر ہی رسالت تمام و مکمل ہوئی۔(۵۷)

آپ ﷺ آخر میں آئے لیکن خاتم المرسلین بن کر آئے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا اور اگر کوئی دعوہ کرے گا تو جھوٹا اور کذاب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کے ختم المرسلین ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی چنانچہ ختم المرسلین کہ متعلق بہت سی آیات واحادیث ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے" :ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" (۵۸)

ترجمہ" : لیکن وہ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں"۔

آپکا یہ شرف بھی بڑا منفرد اور باکمال ہے کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔

جامعیت رسول کائنات:

اشرف الانبیاء سیدنا محمد مصطفی ﷺ کا کمال شرف ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے کوئی نبی کسی شہر کی طرف اور کوئی کسی علاقہ کی طرف اور کوئی ایک مدت کے لیے دوسرا دوسری مدت کے لیے بھیجا گیا لیکن آپ ﷺ قیامت تک کے لیے اور تمام نسل انسانی کے لیے پیغمبر و راہ نما بن کر آئے جیسا کہ قرآن نے اس کو بیان فرمایا۔ ارشادِ ربانی ہے:

"وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون"(۵۹)

ترجمہ: (قیامت تک کے لیے) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور دوسری جگہ اس طرح ذکر ہوا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ" :قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا" (۶۰)

ترجمہ :آپ کہہ دیجئے! اے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

سورہ فرقان میں اس انداز سے بیان ہوا ہے: "تبرک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعٰلمین" (۶۱)

ترجمہ :وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر بتدریج الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیئے (عذاب) سے ڈرانے والے ہوں۔

مذکورہ آیات میں بیان ہوا کہ آپ ﷺ کی رسالت علاقائی یا ایک خاص مدت کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے اور کائنات کے تمام جن و انس کے لیے ہے اسکی مزید وضاحت کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر تبیان القرآن نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی ہے کہ: حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی زبان اقدس سے اس بات کی یوں وضاحت فرمائی کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں جو مجھ سے بیشتر کسی نبی کو نہیں ملی۔

۱) نصرت بالرعب: رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی مہینے کی مسافت پر دشمن کے دل میں میرا رعب بٹھانے سے میری مدد کی گئی۔

۲) "جعلت الارض لی کلھا طھورا و مسجدا" تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک بنا دیا گیا جہاں بھی نماز کا وقت آجائے میری امت وہاں نماز ادا کرے۔

۳) "مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا جو مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں تھا"

۴) "مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا ہے"

۵) "پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔"(۶۲)

پسینہ عطر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا پسینہ گویا موتی ہوتا تھا اور حضرت ام سلیم کہتی ہیں کہ یہ پسینہ بھی سب سے عمدہ خوشبو ہوا کرتی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی اور گزرتا تو آپ ﷺ کے جسم اطہر یا پسینہ مبارکہ کی خوشبو کی وجہ سے جان جاتا کہ آپ ﷺ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں۔(۶۳)

مہر نبوت ﷺ:

آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی جو کبوتر کے انڈے جیسی اور جسم مبارکہ ہی کے مشابہ تھی یہ بائیں کندھے کی کرم (نرم ہڈی) کے پاس تھی اس پر مسوں کی طرح تلوں کا جمگھٹ تھا۔(۶۴)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۰ سال بڑی محنت سے احادیث و آثار و کتب تفسیر و شروح حدیث و فقہ و اصول و تصوف میں حضور ﷺ کے خصائص کا تتبع کیا اور خصائص کبریٰ اور انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب تصنیف فرمائی جن میں ہزار سے زائد خصائص مذکور کیئے

خصائص نقل کئے ہیں یہ خصائص چار قسم کے ہیں:

۱۔ وہ واجبات جو آنحضرت ﷺ سے مختص ہیں۔ مثلاً نماز تہجد

۲۔ وہ احکام جو آنحضرت ﷺ ہی پر حرام ہیں دوسروں پر نہیں مثلاً تحریم زکوۃ

۳۔ وہ مباحات جو حضور ﷺ سے مختص ہیں مثلاً نماز بعد عصر

۴۔ وہ فضائل و کرامات جو حضور ﷺ انور بابی ہو وامی سے مخصوص ہیں اب درج ذیل میں صرف حصہ چہارم میں سے بعض خصائص ذکر کئے جاتے ہیں۔

نام محمد ﷺ:

۱۔ حضور اکرم ﷺ کا اسم مبارک محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اسم مبارکہ محمود سے مشتق ہے۔

۲۔ قرآن کریم اور دیگر کتب الہامیہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوائے حضور اقدس ﷺ کے اور کسی پیغمبر پر درود وارد نہیں ہوا۔

۳۔ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے لیکر حضور ﷺ کے والد ماجد تک اور حضرت حواء سے لیکر حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ تک حضور ﷺ کا نسب شریف سفاح (زنا) سے پاک وصاف رہا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ کے ہر عضو کا ذکر کیا ہے جس سے حق جل وعلا کی کمالِ محبت و عنایت پائی جاتی ہے۔

قلب مبارک: ما کذب الفواد ماراء ی (۶۵) نزل به الروح الامین علی قلبک (۶۶)

زبان مبارک: فانما یسرنه بلسانک (۶۷) و ما ینطق عن الھوی (۶۸)

چشم مبارک: مازاغ البصر و ما طغی (۶۹)

چہرا مبارک: قد نری تقلبک وجھک فی السماء (۷۰)

ہاتھ اور گردن مبارک: ولا تجعل یدک مغلولة الیٰ عنقک (۷۱)

سینہ مبارک: الم نشرح لک صدرک (۷۲)

پشت مبارک: الذی انقض ظھرک (۷۳)

۵۔ حضور اکرم ﷺ کی شریعت تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں کے لیے ناسخ ہے اور قیامت تک رہے گی۔

۶۔ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کنایہ سے خطاب فرمایا یعنی کبھی بھی حضور ﷺ کا نام لیکر خطاب نہیں فرمایا بخلاف دیگر انبیاء کرام کے انہیں ان کے نام سے خطاب کیا۔

اسکی قرآن مجید میں بہت سی مثالیں مذکور ہیں مگر یہاں صرف چند ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔وقلنا یٰادم اسکن انت وزوجک الجنة ۔۔۔ الخ الا یة۔(۷۴)

۲۔قیل ینوح اھبط بسلٰم منا۔۔۔۔الخ ۔(۷۵)

۳۔ یا ابراھیم اعرض عن ھذا۔۔۔۔ الخ ۔(۷۶)

۴۔ قال یٰموسیٰ انی اصطفیتک بر سلٰتی و بکلامی۔۔۔الخ ۔(۷۷)

۵۔ اذ قال اللہ یعیسیٰ ابن مریم اذکر نعمتی۔۔۔الخ۔ (۷۸)

۶۔ یٰیحی خذا الکتب بقوۃ۔(۷۹)

مگر ہمارے آقائے نامدار فداہ ابی وامی کو اللہ تعالیٰ نے یوں خطاب فرمایا بغیر نام کے:

۱۔یاایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین۔(۸۰)

۲۔یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔۔۔الخ ۔(۸۱)

۳۔ یا ایھا المزمل۔(۸۱)

۴۔یا ایھا المدثر۔(۸۳)

جہاں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے نام مبارک کی تصریح فرمائی وہاں ساتھ ہی رسالت یا کوئی اور وصف بیان فرمایا ہے:

وما محمد الا رسول۔ (۸۴)

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔(۸۵)

بن مانگے عطائے الٰہی:

اہم فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے نبیوں کو ان کے مانگنے کے بعد عطا فرمایا وہ آپ ﷺ کو بن مانگے عنایت فرمایا چند امثلہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا!

ولا تخزنی یوم یبعثون (۸۶) جس دن لوگوں کو محشر میں جمع کیا جائے گا مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ مگر حضور سرورانبیاء ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرمایا:

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنو معه(۸۷)

جس دن اللہ نہ اس عظیم نبی ﷺ کو شرمندہ کرے گا اور نہ اسکے ساتھ ایمان لانے والوں کو۔
(یہاں سوال سے پہلے بشارت ہے)

۲۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا فرمایا کرتے تھے:

واجعلنی من ورثة جنة النعیم۔(۸۸)

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے

مگر حضور اکرم ﷺ کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے:

انا اعطینک الکوثر (۸۹)

بے شک ہم نے آپکو (محمد ﷺ) کوثر عطا کیا

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔(۹۰)

اور عنقریب آپ کا رب آپکو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائینگے

۳۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا فرماتے ہیں:

واجعل لی لسان صدق فی الاٰخرین۔(۹۱)

اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ

مگر حضور اکرم ﷺ سرور انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے بن مانگے اس سے بڑھ کر عطا کیا چنانچہ سورۃ الم نشرح میں وارد ہے:

ورفعنا لک ذکرک۔۔۔(۹۲) ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا

لہذا حضور اکرم ﷺ از عرش تا فرش مشہور ہیں اور نماز و خطبہ و آذان میں اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ آپ ﷺ کا نام مبارک مذکور ہے اور عرش پر قصور بہشت پر حوروں کے سینوں پر درختاں بہشت کے پتوں پر فرشتوں کی چشم وابرو پر آپکا اسم شریف لکھا ہوا ہے اور آپ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء گزرے ہیں وہ سب آپ ﷺ کے ثناء خواہ رہے ہیں اور قیامت تک ہونگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:

۱۔ ”رب اشرح لی صدری“(۹۳) (اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے)

مگر حضور اکرم ﷺ کے لیے بن مانگے یوں ارشاد ہوتا ہے:

”الم نشرح لک صدرک“(۹۴) (کیا ہم نے آپ کے لیے آپکا سینہ نہیں کھول دیا)

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کتاب کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تیس(۳۰) راتوں کا وعدہ فرمایا پھر دس(۱۰) راتیں اور زیادہ کی گئیں بعد از کتاب تورات عطا ہوئی۔

مگر حضور اکرم سرور انبیاء ﷺ پر بغیر کسی سوال سابق کے نزولِ قرآن شروع ہوا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

وما کنت ترجوا ان یلقی الیک الکتب الا رحمۃ من ربک(۹۵)

اور آپ ﷺ (کسی چیز سے) یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ ﷺ پر کتاب نازل کی جائے گی ماسواء آپ ﷺ کے رب کی رحمت کے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کے شہر کی اور آپ ﷺ کے زمانے کی قسم کھائی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون۔(۹۶)

(اے محمد) آپکی زندگی کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش ہو رہے تھے

کسی شاعر نے کیا ہی خوب فرمایا:

جس کی قسمیں میرا رب کھاتا ہے کتنی دلکش میرے محبوب ﷺ کی صورت ہو گی اللہ تعالیٰ نے کسی اور پیغمبر کی زندگی کی قسم نہیں اٹھائی۔ ارشاد باری تعالیٰ:

لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد۔(۹۷)

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کے شہر یعنی مکہ معظمہ کی قسم کھائی جسے پہلے ہی شرفِ ذاتی حاصل تھا مگر حضور اکرم وانور ﷺ کے نزول سے اور بھی شرف حاصل ہو گیا۔

خلق عظیم:

دیگر فضائل کی طرح اس کمال میں بھی آنحضرت ﷺ دیگر انبیاء کرام سے ممتاز ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خلق عظیم کو آپ ﷺ کی ذاتِ شریف میں حصر فرمایا:

ارشادِ باری ہے :وانک لعلیٰ خلق عظیم (۹۸) اور بے شک آپ خلق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں اور حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ **بعثت لا تمم مکارم الا خلاق** میں محاسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

انبیاء سابقین علیھم السلام میں سے ہر ایک حسن اخلاق کی ایک نوع سے مختص تھے مگر آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس حسن اخلاق کے تمام انواع کی جامع تھی۔

غرض دیگر کمالات کی طرح محاسن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں:

فاق النبین فی خلق وفی خلق ولم یدا نوہ فی علم ولا کرم

لے گیا فوقیت انبیاء پر خلق میں اور خلق میں کس میں تھا اسکا علم اور کس میں اسکا سا کرم

برات محمد ﷺ:

حضور اکرم ﷺ کی برات و تنزیہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی بخلاف دیگر انبیاء کرام کے کہ اپنے مکذبین کی تردید وہ خود کیا کرتے تھے۔چند امثلہ مذکور ہیں۔

ا۔ قوم نوح نے جب ان سے کہا:

انا لنرٰك فی ظلل مبین۔(۹۹) تحقیق ہم تم کو صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

انکی نفی خود حضرت نوح علیہ السلام نے کی جب ان سے کہا کہ:

یٰقوم لیس بی ضللة ولکن رسول من رب العلمین(۱۰۰)

اے میری قوم مجھ میں گمراہی نہیں ہے لیکن میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں۔

۲۔ قوم ھود نے ان سے کہا:

انا لنرٰک فی سفاھة وانا لنظنک من الکذبین ۔(۱۰۱)

تحقیق ہم تم کو بیوقوفی میں دیکھتے ہیں اور تم کو جھوٹوں سے گمان کرتے ہیں۔

اس پر حضرت ھود علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

یٰقوم لیس بی سفاھة ولکنیّ رسول من رب العلمین (۱۰۲)

اے میری قوم مجھ میں بیوقوفی نہیں لیکن میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں۔

۳۔ فرعون نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا:

انی لا ظنک یٰموسیٰ مسحورا (۱۰۳) تحقیق میں تجھے اے موسیٰ جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب فرمایا:

وانی لا ظنك یٰفرعون مثبورا (۱۰۴) اور تحقیق میں تجھے اے فرعون ہلاک کیا ہوا گمان کرتا ہوں۔

مگر کفار نے ہمارے آقائے نامدار ﷺ کی طرف جو نسبتِ طعن و تنقیص کی تو سبحانہ و تعالیٰ نے بذات خود اسکی تردید فرمادی جس سے حضور ﷺ کی شان محبوبیت عیاں ہے۔ چند امثلہ حاضر ہیں۔

کفار کا اعتراض و طعن: باری تعالیٰ کی طرف سے اُنکو جواب:

ائنا لتارکوا الھتنا لشاعر مجنون (۱۰۵)

بل جاء بالحق و صدق المرسلین (۱۰۶)

کیا ہم چھوڑ دینے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کے واسطے

بلکہ وہ لایا ہے حق اور سچا کیا پیغمبروں کو۔

وما علمناہ الشعر وما ینبغی له (۱۰۷)

ہم نے انکو نہیں سکھایا اور وہ اسکے لائق نہیں

لولا نزل علیه القرآن جملة واحدة (۱۰۸)

کذٰلک لنثبت به فوادک ورتلنٰه ترتیلا (۱۰۹)

آپ پر قرآن ایک دفعہ (میں) کیوں نہیں نازل کیا گیا

اسی طرح اتارا ہم نے تاکہ ثابت رکھیں ہم اسی کے ساتھ تیرے دل کو اور آہستہ آہستہ پڑھا ہم نے اسکو یعنی ہر بات کے وقت پر اسکا جواب آتا رہے تو پیغمبر کا دل ثابت رہے لست مرسل (۱۱۰)

یٰسن والقرآن الحکیم ۔۔ انک لمن المرسلین (۱۱۱)

تو رسول نہیں، یٰسین قسم ہے قرآن محکم کی تحقیق تو البتہ رسولوں میں سے ہے۔

ابعث اللہ بشرا رسولا (۱۱۲)

قل لوکان فی الارض ملٰکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولَ (۱۱۳)

کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے:

(آپ) کہہ دیجئے اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلا کرتے آرام سے تو البتہ ہم اتارتے ان پر آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر۔

مطلب یہ کہ تجانس موجب توانس اور تخالف موجب تباین ہے اس لیئے فرشتوں کے لئے فرشتہ مبعوث ہونا چاہیئے اور اہل عرض کے لیے بشر رسول چاہیئے۔

امام الانبیاء:

آپ ﷺ کو تمام انبیاء اکرام علیھم السلام کی امامت کا شرف عظیم حاصل ہوا جو کسی اور (نبی) کو حاصل نہ ہو سکا۔

جنت میں سوائے حضور اکرم ﷺ کی کتاب (قرآن کریم) کے کوئی اور کتاب نہ پڑھی جائے گی اور نہ سوائے حضور کی زبان کے کسی اور کی زبان میں کوئی تکلم کرے گا۔

پیغمبر اسلام کی عظمت غیر مسلم مفکرین اور دانشوروں کی نظر میں:

زیر نظر باب میں غیر مسلم مورخین اور دانشوروں نے بھی جہاں انکے تعصبات و مخصوص مزاجی کیفیت اور اسالیبِ بیان و طرزِ استدلال نے اجازت دی ہے رسول ﷺ کی عظمت اور کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کیا ہے اور سرورِ کونین ﷺ کی عظمت کے معترف نظر آتے ہیں۔

درج ذیل میں مغرب اور دیگر خطوں کے غیر مسلم سیرت نگاروں اور مصنفین کی تحریروں کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جنہوں نے سیرت طیبہ پر غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا اور حیاتِ طیبہ کے مختلف گوشوں کو قلمبند کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا اور پیغمبر اسلام کے عظیم کارناموں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

ایس۔پی۔اسکاٹ:

محمد ﷺ ایک ایسے ذہن کے مالک تھے جو مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھا سکتے تھے اور سب سے حیران کن حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسا فقید المثال ذہن رکھنے والا انسان متکبر

تھا نہ مغرور، بلکہ عجز و رضا کا پیکر تھا۔ محمد ﷺ کے مذہبی پیغام اور انکی عظیم شخصیت کی کلید یہ ہے کہ آپ ﷺ انسانوں کی روحانی اور سیاسی ضروریات سے کماحقہ آگاہ تھے جو آگاہی انہیں حاصل تھی وہ کسی دوسرے نبی یا رسول میں اس حد تک دکھائی نہیں دیتی، انسانی وجود کو جو مقام حاصل ہوا وہ محمد ﷺ کی تعلیمات سے پہلے کبھی بنی نوعِ انسان کو حاصل نہ ہو سکا نہ ہو سکتا تھا۔ سچ پوچھئے تو حقیقت یہ ہے کہ محمد ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں تاریکیاں ختم ہوئیں اور بنی نوعِ انسان دورِ جہالیت سے نکل کر روشنی اور علم کے منطقے میں داخل ہو گئے۔ محمد ﷺ کی تعلیمات انسان کو صرف اور صرف نیکی اور خیر کے کاموں پر آمادہ کرتی ہے۔ حسد، جھوٹ، بے ایمانی اور انسان دشمنی کا قلع قمع کر دیتی ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا:

آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو جو ایک حیران کن متاثر کرنے والا تضاد یہ ہے کہ عظیم فتوحات کے باوجود محمد ﷺ کی انسانیت اور انسانیت نوازی میں کمی نہیں آئی بلکہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔(۱۱۴)

مستشرقین کی نظر میں آپ ﷺ کا مقام:

مستشرقین کی اصطلاح ان اہل مغرب کے لیے استعمال ہوتی ہے جو مشرقی علوم وفنون، میں دلچسپی رکھتے ہیں لیکن سیرت کے حوالے سے جب کوئی بات ہوتی ہے تو صرف وہ مغربی محققین مراد ہوتے ہیں جنھوں نے سیرتِ طیبہ اور نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے اپنی تحریریں پیش کی ہیں۔

مشتشرقین میں سے ایک مغربی مفکر نے (دنیا کے ۱۰۰ عظیم آدمی) کے نام سے ایک اہم کتاب لکھی جس میں مصنف مائیکل ہارٹ نے خود عیسائی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کو سب سے پہلے نمبر پر ذکر کیا ہے وہ خود کہتا ہے کہ:

ممکن ہے کہ انتہائی متاثر کن شخصیات کی فہرست میں (حضرت) محمد (ﷺ) کا شمار سب سے پہلے کرنے پر چند احباب کو حیرت ہو اور کچھ معترض بھی ہوں لیکن یہ واحد تاریخی ہستی ہے جو مذہبی اور دنیاوی دونوں محاذوں پر برابر طور پر کامیاب رہی۔

حضرت محمد ﷺ نے عاجزانہ طور پر اپنی مساعی کا آغاز کیا اور دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک مذہب کی بنیاد رکھی اور اسے پھیلایا وہ ایک انتہائی موثر سیاسی رہنما بھی ثابت ہوئے۔ آج چودہ سو سال گزرنے کے باوجود ان کے اثرات انسانوں پر ہنوز مسلم اور گہرے ہیں۔

اس کتاب میں شامل متعدد افراد کی یہ خوش قسمتی رہی کہ وہ دنیا کے تہذیبی مراکز میں پیدا ہوئے اور وہیں ایسے لوگوں میں پلے بڑھے جو عموماً اعلیٰ تہذیب یافتہ یا سیاسی طور پر مرکزی حیثیت کی اقوام تھیں۔ اسکے برعکس ان کی پیدائیش جنوبی عرب میں مکہ شہر میں ۵۷۰ع میں ہوئی۔ یہ تب تجارت، فنون اور علم کے مراکز سے بہت دور دنیا کا دقیانوسی گوشہ تھا۔ وہ چھ برس کے تھے جب انکی والدہ کا انتقال ہوا۔ انکی پرورش عام وضع پر ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ ہم کس طرح انسانی تاریخ پر (حضرت) محمد ﷺ کے اثرات کا تجزیہ کر کے انکو سب سے پہلا نمبر دے سکتے ہیں جبکہ اس وقت عیسائی مسلمانوں سے بالحاظ تعداد دوگنے ہیں اسی لیئے یہ بات عجیب محسوس ہوتی ہے کہ (حضرت) محمد ﷺ کو عیسیٰ مسیح سے بلند مقام دیا گیا* اسکی کچھ وجوہات ہیں یہاں صرف کتاب سے ایک نظیر پیشِ خدمت ہے۔

(حضرت) محمد (ﷺ) نہ صرف اسلام کی الہیات کی تشکیل میں فعال تھے بلکہ اس کے بنیادی اخلاقی ضوابط بھی بیان کیئے۔ علاوہ ازیں انہوں نے اسلام کے فروغ کے لیے بھی مساعی کیں اور اسکی مذہبی عبادات کی بھی توضیح کی۔

(حضرت) عیسیٰ مسیح کے برعکس (حضرت) محمد (ﷺ) نہ صرف ایک کامیاب دنیادار تھے بلکہ ایک مذہبی رہنما بھی تھے۔ فی الحقیقت وہی عرب فتوحات کے پس پشت موجود اصل طاقت تھے اس اعتبار سے وہ تمام انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ متاثر کن سیاسی قائد ثابت ہوتے ہیں۔

نہ صرف سیاسی بلکہ دینی اور دنیاوی اثرات کا ایسا بے نظیر اشتراک ہے جو میرے خیال میں (حضرت) محمد (ﷺ) کو انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ متاثر کن شخصیت کا درجہ دینے کا جواز بنتا ہے۔ (۱۱۵)

بدھ عالم اور چینی لیڈر مسٹر فن چی:

پیغمبرِ عرب جو تعلیمات دنیائے انسانی کے سامنے پیش کی ہیں وہ روحانی اور مادی ہر دو قسم کی ریاضتوں کو اپنی اپنی جگہ ٹھکانے سے رکھنے والی اور دونوں قسم میں توازن رکھنے والی ہیں۔

گاندھی جی:

جب کہ مغرب قصرِ جہالت میں پڑا ہوا تھا تو مشرق کے آسمان سے ایک درخشاں ستارہ طلوع ہوا اور تمام مضطرب دنیا کو راحت اور روشنی بخشی۔

گرونانک:

پت ان پوجاون منجم جب دن کا ہے جینو دھود ہود تک چڑھاوون سورج نہ ہوئے کل پر ان کتب قرآن پوتھی پنڈے رے پر آن۔

یعنی : پوجاپاٹ کام نہیں دے سکتی چھوت چھات بیکار ہے جینو اشان ماتھے پر تلک لگانا کچھ کام نہ آئے گا اگر کوئی کتاب کام آئے گی تو وہ قرآن ہے جس کے آگے پوتھی پران کچھ بھی نہیں۔

ڈی ایس مارگولیوتھ:

آپ کی رحمتِ انسانیت ایک جگہ، انسان تو اشرف المخلوقات ٹھرا، نچلی سطح کی مخلوقات بھی آپ کی ہمدردی، انسانیت اور توجہ کا مرکز بنی۔

محمد ﷺ نے مسلمانوں کو ایسی تلقین کی کہ وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی برا سلوک نہ کریں، جنگی قیدیوں کی ضرورت کا پورا خیال رکھیں۔ محمد ﷺ کی تعلیمات کی یہی خوبیاں تھیں جنھوں نے دشمنوں کو بھی محمد ﷺ کی تعریف کرنے پر مجبور کر دیا۔

تھامس کارلائل:

محمد ﷺ عیش و عشرت اور شہوانیت کے دلدادہ نہ تھے یہ وہ الزام ہے جو آپ ﷺ پر ان ناعاقبت اندیش افراد نے لگایا جن کے ضمیر تاریک ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ کا گھریلو سازوسامان معمولی اور خوراک بہت سادہ اور عام قسم کی تھی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کئی کئی دنوں تک آپ ﷺ کے گھر میں چولھا روشن نہ ہو سکا وہ جو آپ ﷺ کے جانثار اور پیروکار تھے آپ ﷺ کو سچے دل سے اللہ کا نبی مانتے تھے اس لیے آپ ﷺ کی زندگی ان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح تھی۔ کوئی راز اور اسرار آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں تھا۔ محمد ﷺ کے پیغام پر عمل کرنے والے دنیا کے بہترین انسان بن گئے۔ تھامس کارلائل انگلستان کے نامور مورخ ادیب اور فلاسفی ہیں انہوں نے ۱۸۴۰ء میں لیکچرز دیئے، جو "ہیروز اینڈ ہیرو ورد" کے عنوان سے شائع ہوئے موصوف مزید رقمطراز ہیں:

حضرت محمد ﷺ کے متعلق ہمارا موجودہ قیاس بلکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ (نعوذبالله من ذالك) آپ ﷺ دغاباز اور کذابِ مجسم تھے اور آپ ﷺ کا مذہب محض فریب تھا۔ اور نادانی کا مجموعہ ہے۔

کذب وافتراء کا وہ انبارِ عظیم جو ہم نے اپنے مذہب کی حمایت میں اس پاک ہستی کے خلاف کھڑا کیا (وہ) خود ہمارے لیے شرمناک ہے۔

کاؤنٹ ٹالسٹائی:

روسی فلاسفر کاونٹ ٹالسٹائی لکھتا ہے کہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ان عظیم الشان مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے قوموں کے اتحاد کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ لیکن انکے فخر کے لیے یہ بلکل کافی ہے کہ انہوں نے وحشی انسانوں کو نورِ حق کی جانب ہدایت کی اور ان کو ایک اتحاد و صلح پسندی اور پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنے والا بنادیا اور ان کے لیے ترقی اور تہذیب کے راستے کھول دیئے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنا بڑا کام صرف ایک فردِ واحد کی ذات سے ظہور پذیر ہوا۔(۱۱۶)

حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی سیرت کے کسی بھی پہلو پر گفتگو کرنا اور اسکا حق ادا کرنا انسان ذات کے بس کی بات نہیں جس طرح قرآن پاک سورۃ کہف میں اللہ عزواجل کی ثناء کے واسطے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

مفہوم وترجمہ: اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور رب کائنات کی حمد وثناء لکھی جائیں تو سمندر بھی ختم ہو جائیں گے مگر رب کعبہ کی حمد وثناء ختم نہیں ہوگی اگرچہ اسی کی مثل دوسرے سمندر بھی آجائیں۔

بلکل اسی طرح اللہ عزواجل کے پیارے حبیب کبریا کی ثناء بھی بیان کرنا کہ اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور پوری دنیا کے درخت قلم بن جائیں تب بھی آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی سیرت طیبہ کو کماحقہ بیان نہیں کیا جاسکتا لا یمکن الثناء کما حکہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (شاہ عبدالعزیز) کیونکہ جب سے دنیا میں سیرت پر کام ہونا شروع ہوا تب سے لیکر آج تک صدیاں گزرنے کے باوجود لاکھوں سیرت کے مصنفین میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس نے مکمل سیرت کو بیان کر کے گویا ثناءِ مصطفی (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) علیہ التحیتہ والثناء کا حق ادا کردیا۔ ہاں البتہ ہر مصنف یہ کہتا ہوا ضرور نظر آیا کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی سیرت کا کماحقہ حق ادا کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو اپنی آب و تاب کے ساتھ نکھر کر سامنے ابھر آیا جسکی نظر کسی ایک پہلو پر گئی تو اسی پر ساری توجہ مرکوز ہوگئی اور تحقیقات کا دریا بہتا چلا گیا اور دوسرے تمام پہلو پر نظر نہ جاسکی اور کوئی بھی تمام پہلوں کا احاطہ نہ کرسکا۔ آج جدید سائنسی دور میں نئے نئے انداز سے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی سیرت پر تحقیق ہورہی ہے اور ہر میدان میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی امتیازی شان نمایاں ہوتی جارہی ہے۔

انسانوں میں اور پوری کائنات میں خالقِ کائنات کا بہترین اور حسین ترین امتیاز اور کوئی شاہکار ہے تو وہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے۔

واجمل منک لم تر قط عین

آپ سے زیادہ خوبصورت کبھی کسی آنکھ نے دیکھا ہی نہیں

اجمل منک لم تلد النساء

اور آپ سے زیادہ خوبصورت کسی عورت نے کوئی جنا ہی نہیں

خلقت مبتراء من کل عیب

آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا

کانک خلقت کما تشاء

گویا کہ آپ کو اس طرح پیدا کیا گیا جیسے آپ چاہتے تھے

مذکورہ بالا تمام حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:

بقول اقبال:

حسن یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یا صاحب الجمال ویا سید البشر | اے صاحبِ جمال اے سید البشر
من وجھک المنیر لقد نوّر القمر | آپ کے روشن چہرہ مبارک سے چاند روشن ہے
لایمکن الثناء کما کان حقہ | آپ کی ثناء کما حقہ ممکن ہی نہیں
بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر | قصہ مختصر ہے کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں

حوالہ جات

۱۔ محمد خالد اسماعیل، مطالعہ نقوشِ سیرت / طاہر سنز۔ کراچی، ص۶۔

۲۔ القرآن، سورۃ طٰہٰ، آیت ۲۱۔

۳۔ انسائیکلوپیڈیا، سید محمد قاسم، ص ۱۰۳۷۔

۴۔ القرآن، سورۃ حشر، آیت۔۷۔

۵۔ القرآن، سورۃ احزاب، آیت ۲۱۔

۶۔ القرآن، سورۃ نجم، آیت ۴۔۳۔

۷۔ القرآن، سورۃ نساء، آیت ۸۰۔

۸۔ القرآن سورۃ، انبیاء، آیت ۱۰۷۔

۹۔ محمد طفیل، نقوشِ رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہو، جلد اوّل، ص ۶۵۔

۱۰۔ القرآن، سورۃ احزا، آیت ۲۱۔

۱۱۔ محمد خالد اسماعیل، مطالعہ نقوشِ سیرت / طاہر سنز، کراچی، ص ۸۔

۱۲۔ علامہ شبلی / سیرتِ النبی دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، ص ۱۵۔

۱۳۔ القرآن سورۃ بقرہ، آیت ۲۵۳۔

۱۴۔ محمد فضل حق خیر آبادی (مترجم / محمد عبد الحکیم) شفاعتِ مصطفی ﷺ، مکتبہ زین العابدین، لاہور، ص ۵۱۔

۱۵۔ امام احمد بن حنبل / مسند احمد بن حنبل، حدیث السیدۃ عائشہ، ناشر موسۃ قربۃ (القاہرہ) سن ندارت، جلد ۶، ص ۱۶۳۔

۱۶۔ شیخ عبد الحق محدث دھلوی، مترجم مفتی معین الدین نعیمی، مدارج النبوۃ، ناشر مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ لاہور، ۲۰۱۲، جلد ا، ص ۲۸۹۔

۱۷۔ القرآن، سورۃ احزاب، آیت ۷۔

۱۸۔ علامہ مفتی محمد منظور احمد اویسی، مقام رسول، ناشر۔ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۱۵۔۲۱۳۔

۱۹۔ علامہ مفتی محمد منظور احمد اویسی، مقام رسول، ناشر۔ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۲۵۔

۲۰۔ علامہ نور الدین علی بن ابراہیم۔ صیح عبد اللہ محمد الخلیلی، السیرۃ الحلبیہ، ج۔ اول، ناشر دار الکتب العلمیۃ، بیروت (لنبان)، ۲۰۰۲، ص ۴۷۔

۲۱۔ جلال الدین عبد لرحمن ابی بکر السیوطی۔ الخصائص الکبریٰ، ضیاء القرآن، کراچی۔ لاہور، ج ا، ص ۲۸۹۔

۲۲۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دھلوی، مترجم مفتی معین الدین نعیمی، مدارج النبوۃ، ناشر مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور ۲۰۱۲ جلد ا، ص ۲۸۹۔

۲۳۔ حدائقِ بخشش، ص ۱۳۹۔

۲۴۔ القرآن سورۃ انبیاء، آیت ۱۰۷۔

۲۵۔ صحیح مسلم، ص ۲۵۹۹، راقم الحدیث۔

۲۶۔ جلال الدین عبدلرحمن ابی بکر السیوطی، الخمائص الکبریٰ، ضیاء القرآن، کراچی، لاہور، ج ۲، ص ۵۱۔

۲۷۔ القرآن، آل عمران، آیت ۸۱۔

۲۸۔ غلام رسول سعدی، تفسیر تبیان القرآن، ضیاء القرآن، کراچی۔ لاہور، ج ۲، ص ۲۲۸۔

۲۹۔ محمد فضل حق خیر آبای (مترجم / محمد عبدالحکیم) شفاعتِ مصطفی ﷺ، مکتبہ زین العابدین، لاہور، ص ۹۰۔۸۹۔

۳۰۔ القرآن، سورۃ صف، آیت ۶۔

۳۱۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، مطبوعہ، نور احمد اصح المطابع، کراچی، روقم الحدیث، ۴۸۹۶۔

۳۲۔ امام بیہقی، دلائل النبوۃ، باب صفۃ رسول ﷺ، ناشر دار الکتب العلمیہ، دار الدیان للتراث، ۱۹۸۸ ج ۱، ص ۳۷۹۔

۳۳۔ ایضاً، باب ذکر رسول ﷺ، ج ۱، ص ۱۷۶۔

۳۴۔ حدائق بخشش، حصہ دوئم، ص ۳۶۳۔

۳۵۔ جلال الدین عبدلرحمن ابی بکر السیوطی، الخصائص الکبریٰ، ضیاء القرآن، کراچی، لاہور، ج ۱، ص ۹۹۔

۳۶۔ جلال الدین عبدلرحمن ابی بکر السیوطی، الخصائص الکبریٰ، ضیاء القرآن، کراچی، لاہور، ج ۱، ص ۱۱۶۔

۳۷۔ القرآن، سورۃ نجم، آیت ۴۔۳۔

۳۸۔ القرآن، سورۃ نجم، آیت ۱۰۔

۳۹۔ القرآن، سورۃ الم نشرح، آیت ۴۔۳۔

۴۰۔ محمد طفیل، نقوشِ رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہو، جلد اوّل، ص ۹۰۔

۴۱۔ القرآن، سورۃ نساء، آیت ۵۹۔

۴۲۔ القرآن، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱۔

۴۳۔ شیخ عبدالحق محدث دھلوی، مترجم مفتی معین الدین نعیمی، مدارج النبوۃ، ناشر مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور، ۲۰۱۲، جلد ۱۔

۴۴۔ القرآن، سورۃ نجم، آیت ۹۔۸۔

۴۵۔ القرآن، سورۃ احزاب، آیت ۵۶۔

۴۶۔ سید ابو اعلیٰ موودودی، تفسیر تفہیم القرآن، ناشر ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، سن ۲۰۰۰، ج ۶، ص ۱۲۳ تا ۱۲۷۔

۴۷۔ القرآن، سورۃ آل عمران، آیت ۳۱۔

۴۸۔ سید محمد میاں صاحب، عبید اللہ سندھی، جوامع السیرۃ ﷺ، ناشر حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ، کراچی، سن اشاعت ۲۰۰۹ء، ص ۳۶۱۔

۴۹۔امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب الایمان حبِ الرسول ﷺ، مطبوعہ، نور احمد اصح المطابع، کراچی۔

۵۰۔القرآن سورۃالحجر، آیت ۹۔

۵۱۔امین احسن اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن، ناشر تاج کمپنی ترجمان گیٹ، دہلی، ۱۹۹۷ء، ج۶، ص۳۴۹۔۳۴۸۔

۵۲۔محمد فضل حق خیر آبادی (مترجم / محمد عبدالحکیم) شفاعتِ مصطفی ﷺ، مکتبہ زین العابدین، لاہور، ص۸۵۔

۵۳۔القرآن، سورۃ نبی اسرائیل، آیت ۷۹۔

۵۴۔محمد ادریس ڈاہری، تفسیر احسن البیان، اشاعت القرآن شاہپور جہانیاں، ج۵، ص۵۴۰۔

۵۵۔القرآن، سورۃ کوثر، آیت ۱۔

۵۶۔القرآن، سورۃ مائدہ، آیت ۳۔

۵۷۔عبدالغفور راشد، سیرت رسول قرآن کی روشنی و آئینہ میں، فضلی بک، سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی، ص۱۱۵۔۱۱۴۔

۵۸۔القرآن، سورۃ احزاب، آیت ۴۰۔

۵۹۔القرآن، سورۃ سباء، آیت ۲۸۔

۶۰۔القرآن، سورۃ اعراف، آیت ۱۵۸۔

۶۱۔القرآن، سورۃ الفرقان، آیت ۱۔

۶۲۔غلام رسول سعدی، تفسیر تبیان القرآن، ضیاء القرآن پبلیشر لاہور، کراچی، ج۴، ص۳۹۵۔

۶۳۔امام مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، ج۲، ص۲۵۶۔

۶۴۔امام مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، ج۲، ص۲۶۰۔۲۵۹۔

۶۵۔القرآن، سورۃ نجم، آیت ۱۱۔

۶۶۔القرآن، سورۃ شعراء، آیت ۱۹۳۔

۶۷۔القرآن، سورۃ دخان، آیت ۵۸۔

۶۸۔القرآن، سورۃ نجم، آیت ۳۔

۶۹۔القرآن، سورۃ نجم، آیت ۱۷۔

۷۰۔القرآن، سورۃ بقرہ، آیت ۱۴۴۔

۷۱۔القرآن، سورۃ نبی اسرائیل، آیت ۲۹۔

۷۲۔القرآن، سورۃ الم نشرح، آیت ۱۔

۷۳۔القرآن، الم نشرح، آیت ۳۔

۷۴۔القرآن، سورۃ بقرہ، آیت ۳۵۔

۷۵۔ القرآن، سورۃ ھود، آیت ۴۸۔

۷۶۔ القرآن، سورۃ ھود، آیت ۷۶۔

۷۷۔ القرآن، سورۃ اعراف، آیت ۱۴۴۔

۷۸۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۱۱۰۔

۷۹۔ القرآن، سورۃ مریم، آیت ۱۲۔

۸۰۔ القرآن، سورۃ انفال، آیت ۶۴۔

۸۱۔ القرآن، سورۃ مائدہ، آیت ۶۷۔

۸۲۔ القرآن، سورۃ مزمل، آیت ۱۔

۸۳۔ القرآن، سورۃ مدثر، آیت ۱۔

۸۴۔ القرآن، سورۃ ال عمران، آیت ۱۴۴۔

۸۵۔ القرآن، سورۃ احزاب، آیت ۴۰۔

۸۶۔ القرآن، سورۃ شعراء، آیت ۸۷۔

۸۷۔ القرآن، سورۃ تحریم، آیت ۸۔

۸۸۔ القرآن، سورۃ شعراء آیت ۸۵۔

۸۹۔ القرآن، سورۃ کوثر، آیت ۱۔

۹۰۔ القرآن، سورۃ ضحی، آیت ۵۔

۹۱۔ القرآن، سورۃ شعراء، آیت ۸۴۔

۹۲۔ القرآن، سورۃ الم نشرح، آیت ۴۔

۹۳۔ القرآن، سورۃ طٰہ، آیت ۲۵۔

۹۴۔ القرآن، سورۃ الم نشرح، آیت ۱۔

۹۵۔ القرآن، سورۃ قصص، آیت ۸۶۔

۹۶۔ القرآن، سورۃ حجر، آیت ۷۲۔

۹۷۔ القرآن، سورۃ بلد، آیت ۲۔۱۔

۹۸۔ القرآن، سورۃ قلم، آیت ۴۔

۹۹۔ القرآن، سورۃ اعراف، آیت ۶۰۔

۱۰۰۔ القرآن، سورۃ اعراف، آیت ۶۱۔

۱۰۱۔ القرآن، سورۃ اعراف، آیت ۶۶۔

۱۰۲۔ القرآن، سورۃ اعراف، آیت ۶۷۔
۱۰۳۔ القرآن، سورۃ اعراف، آیت ۶۰۔
۱۰۴۔ القرآن، سورۃ اعراف، آیت ۶۱۔
۱۰۵۔ القرآن، سورۃ صافات، آیت ۳۶۔
۱۰۶۔ القرآن، سورۃ صافات، آیت ۳۷۔
۱۰۷۔ القرآن، سورۃ یٰسین، آیت ۶۹۔
۱۰۸۔ القرآن، سورۃ فرقان، آیت ۳۲۔
۱۰۹۔ القرآن، سورۃ فرقان، آیت ۳۲۔
۱۱۰۔ القرآن، سورۃ رعد، آیت ۴۳۔
۱۱۱۔ القرآن، سورۃ یٰسین، آیت ۳۔۲۔۱۔
۱۱۲۔ القرآن، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۹۴۔
۱۱۳۔ القرآن، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۹۵۔
۱۱۴۔ علامہ نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی، ناشر ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ص ۵۶۲۔
۱۱۵۔ مائیکل ھارٹ، مترجم محمد عاصم بٹ، سو عظیم آدمی، تحقیقات، اُجالا پرنٹرز، لاہور، ص ۲۹۔۲۲۔
۱۱۶۔ علامہ نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی، ناشر ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ص ۵۶۸۔

تعلیم و تربیت میں ہم آہنگی، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر عبد الجبار قریشی

چیرمین: شعبہ اسلامیات، وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، کراچی

"لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم اٰیتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰلٍ مبین ○"[۱]

ترجمہ: "بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول ﷺ بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"۔

تعلیم و تربیت کو انسانی ذہن میں اس طرح اُتارنا تاکہ وہ انسانی طبیعت اور مزاج کا حصہ بن جائے اور مطلوبہ نتائج معاشرہ کو حاصل ہو جائیں کامیابی کی علامت ہے حاذقِ انسانیت باعثِ فخر موجودات نبی اکرم ﷺ نے بعثت کے بعد کم و بیش تیس سال کے عرصے میں جو انقلاب سرزمین حجاز میں بپا کیا اُس کے ثمرات قیامت تک نوعِ انسانی کیلئے غذا فراہم کرتے رہیں گے آپ ﷺ نے ایسا مربوط نظامِ تعلیم و تربیت انسانیت کو دیا جس کی مثال پورے عالم ہست و بود میں نہیں ملتی آپ ﷺ نے انسانی مزاج اور طبیعت کو اسلامی تعلیمات کیلئے ہموار کیا یہی وجہ ہے کہ نظام تربیت کو ایسے خطوط پر استوار کیا کہ دینِ اسلام کی تعلیمات مزاج انسانی کیلئے اجنبی نہ رہی لوگ جوق درجوق شجرِ اسلام کے سایۂ عافیت میں پناہ گزیں ہونے لگے یہ سب اللہ رب العزت کی مدد اور آپ ﷺ کی مدبرانہ کاوشوں کا ثمر تھا کہ انسانی مزاج میں یہ انقلابی تبدیلی رونما ہوئی تعلیم اور تربیت کی ہم آہنگی کامیابی کیلئے خشتِ اول کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ جب مزاج اور طبیعت کا میلان کسی چیز کے حصول کیلئے تیار نہ ہو تو پھر حصول مشکل ہو جاتا ہے اور یہ بات ذہن نشین رہے علم مزاج کو تبدیل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا آپ نے بڑے بڑے عہدوں پر اور اُونچے مناصب پر کئی بدمزاجوں کو براجماں دیکھا ہو گا اُن سے مل کر اکثر یہ جملہ لوگ کہتے ہیں "لگتا ہے تربیت کی

کمی ہے" لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ انسانی عادات واطوار میں مثبت تبدیلی مثبت تربیت کی محتاج ہے تعلیم تو زیور ہے اور حسن تب ہی نکھرتا ہے جب کہ جسم اور لباس کے مطابق زیبائش کی جائے چنانچہ تعلیم کے مطابق تربیت یا تربیت کے مطابق تعلیم ہی انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرنے کا سبب بنتی ہے۔ ہم یہاں مشتِ نمونہ از خروارے آپ ﷺ کی زندگی کی چند مثالوں کا ذکر کر رہے ہیں:

تربیت کا ایک پہلو شقِ صدر:

صحیح مسلم کی روایت ہے:

"ثبت فی صحیح مسلم من طریق حماد بن سلمه عن ثابت عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ اتاه جبریل علیه السلام وهو یلعب مع الغلمان فاخذه فصرعه فشق عن قلبه فاستخرج القلب واستخرج منه علقة سوداء وقال هذا حظ الشیطان ۔ثم غسله فی طشت من ذهب بماء زمزمه ثم لامه ثم اعاده فی مکانه وجاء الغلمان یسعون الیٰ اُمه یعنی ظئره وقالوا ان محمدا قد قتل فاستقبلوه وهو منتقع اللون" ۲؎

ترجمہ: "صحیح مسلم میں ہے کہ ثابت نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے آپ کو پکڑ لیا زمین پر لٹادیا پھر سینہ چاک کیا اور دل باہر نکالا۔ اور دل میں ایک سیاہ لوتھڑا تھا اس کو باہر نکالا اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر دل مبارک کو ایک سونے کے طشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا پھر اسے سی دیا ۔اور اس کو اپنی جگہ رکھ دیا۔ وہ لڑکے جو حضور ﷺ کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ دوڑتے ہوئے حضرت حلیمہ کے پاس آئے اور آکر بتایا کہ محمد کو قتل کر دیا گیا۔ وہ سارے بھاگتے ہوئے پہنچے دیکھا کہ حضور ﷺ کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ زردی مائل ہے۔"

روایات کے مطابق دو دفعہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا ایک بعثت سے قبل اور دوسری بار معراج کے موقع پر پہلی بار نزولِ وحی کیلئے بطور تربیت اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے سینۂ مبارک کو فرشتوں کے ذریعہ باطنی کمالات سے مزین فرمایا اور دوسری بار علم و حکمت کے خزائن سے منور فرمانے کیلئے ایسا کیا گیا۔ اگر ہم پہلی بار شقِ صدر کو تربیتی عمل قرار دیں اور دوسری بار شقِ صدر کو

تعلیمی مرحلے سے تعبیر کریں اور دونوں میں ہم آہنگی باہم دیکھیں تو باآسانی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ کی معرفت ان نفوس کو حاصل ہوتی ہے جن کے قلوب باطنی کمالات سے آراستہ ہوتے ہیں۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں قلبی بیماریوں اور انسانی اعمال پر ان کے اثرات پر سیر حاصل بحث کی ہے اور نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ۔

''قلب کی پاکی کیئے بغیر معرفتِ خداوندی ناممکن ہے''۔[۳]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی لکھتے ہیں:

''شقِ صدر یہ ہے کہ سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتا ہے اس کے قبول کیلئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا''[۴]

آپ ﷺ کی تربیت کے سلسلے میں ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھا گیا جن کے سبب آپ ﷺ امامتِ انسانی کے منصب پر فائز ہوئے ہم یہاں ایک اور مثال پیش کرتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ تربیت اور تعلیم میں ہم آہنگی کا جو معیار آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کا خاصہ بنی جس کا عملی مظاہرہ سیرتِ طیبہ میں دیکھا جا سکتا ہے در اصل انہی خطوط پر آپ ﷺ کی شخصیت کو پروان چڑھایا گیا نو عمری کے زمانے میں آپ ﷺ بکریاں چرایا کرتے تھے یہ کوئی عام یا معمولی کام نہیں ہے بلکہ انتہائی ذمہ داری اور نگہبانی کا کام ہے اور سنت انبیاء علیہم السلام ہے اس کام میں جو سب سے بڑی حکمت کا درس ہے وہ یہ ہے کہ بکھرے ہوئے ریوڑ کو جمع کیئے رکھنا کھلے میدانوں اور بھرے جنگلوں میں جانوروں کے ایک ریوڑ کو باحفاظت منزل کی طرف لے آنا ایک تربیتی عمل تھا کہ بعثت کے بعد یہ حضراتِ قدسیہ اجتماعی حکمت سے مالا مال ہوں نو عمری کی اس تربیت کا اثر یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے بہت ہی کم عرصہ میں ایک جم غفیر انسانوں کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کرنے کی کامیابی حاصل کی۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو مبعوث فرما کر یہ اہم فریضہ آپ کے سپرد کیا کہ آپ ﷺ اللہ وحدہ لاشریک کی دعوت دے کر بکھرے ہوئے انسانوں کو جمع فرمائیں یعنی جو تعلیم بعثت کے بعد آپ ﷺ کو بذریعہ وحی کی گئی اور جو تربیت بعثت سے قبل کی گئی اس میں ہم آہنگی کا کس قدر اہتمام ملحوظِ خاطر رکھا گیا کسبِ معاش اس دور میں آپ ﷺ نے زندگی کے اہم تجربات حاصل کیے کیونکہ آپ کی پرورش آپ کے چچا حضرت

ابو طالب کے ذمہ تھی۔ اور حضرت ابو طالب کی مالی حالت تسلی بخش نہ تھی اہل و عیال کی کثرت نے اس کمزوری کو مزید تکلیف دہ بنادیا تھا اس لئے جب حضور ﷺ نو دس سال کے ہوئے تو آپ نے بعض لوگوں کے ریوڑ اجرت پر چرانے شروع کر دیئے تا کہ اپنے محترم چچا کا ہاتھ بٹائیں امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔

"قال قال رسول اللهﷺ ما بعث الله نبيا الا راعى غنم وقال له اصحابه وانت يا رسول الله؟ قال وانا رعيتها لاهل مكة بالقراريط"۵

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر اس نے بکریوں کو چرایا ہے۔ اصحاب نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ نے بھی، فرمایا کہ میں بھی قراریط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا"۔

قراریط، قیراط کی جمع ہے اور یہ دینار کے چھٹے حصے کی چوتھائی کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ دینار کے بیسویں حصہ کو قیراط کہتے ہیں۔

"قيل ربع سدس الدينار وقيل نصف عشر الدينار"٦

"لیکن شیخ ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے لکھتے ہیں"۔

"القراريط هى حصة من اللبن كان يتغذى به مع او لادبى طالب"

ترجمہ: "بکریوں کے دودھ کا حصہ ،جو حضور ﷺ اجرت کے طور پر لیا کرتے تھے اور جو حضرت ابو طالب کے اہل و عیال کے ساتھ بطور غذا استعمال فرمایا کرتے"

اسی طرح آپ ﷺ کی تربیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ نے تجارتی سفر دور دراز علاقوں کے کیئے جو کہ انتہائی دیانت داری اور امانت داری کے متقاضی ہونے کے ساتھ ساتھ پر خطر بھی تھے تربیت کے اس مرحلے میں بھی آپ ﷺ کامیابی سے ہمکنار ہوئے مختلف علاقوں کا مختلف طور طریقہ لوگوں کا مختلف مزاج آب و ہوا کی تبدیلی الغرض سفر کے فوائد و نقصان کی جانکاری اور معاشرے کی چلن کا ادراک جتنا سفر تجارت سے ہوتا ہے اس کا فائدہ تاجر حضرات بخوبی جانتے ہیں بعثت سے قبل ہی آپ ﷺ نہ صرف عربوں کے مزاج مختلف علاقوں میں ان کے مختلف رسم ورواج سے بخوبی واقف ہو گئے تھے بلکہ غیر عرب معاشرے پر بھی آپ ﷺ کی گہری نظر تھی جسکا اندازہ

بعثت کے بعد آپ ﷺ کے مدبرانہ اور حکیمانہ اقدامات سے لگایا جا سکتا ہے اعلانِ نبوت کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنا اعلیٰ مزاج اور طبیعت کے وہ خواص لوگوں کے سامنے پیش کیئے جن کا مشاہدہ اہل مکہ کر چکے تھے جب اہل مکہ نے آپ ﷺ کی امتیازی اوصاف کا اقرار کر لیا تب آپ ﷺ نے ان کے سامنے علی الاعلان اسلام کی دعوت پیش فرمائی آپ ﷺ کی صداقت کے وہ قائل تھے تو آپ ﷺ نے اسلام کی صداقت پیش کی آپ ﷺ کی دیانت کے وہ قائل تھے تو آپ ﷺ نے اسلام کی دیانت پیش کی آپ ﷺ کی امانت کے وہ قائل تھے تو آپ ﷺ نے اسلام کی امانت پیش کی آپ ﷺ کی حکمت کے وہ قائل تھے تو آپ ﷺ نے اسلام کی حکیمانہ تعلیمات پیش فرمائی ہمارا مدعا یہ ہے کہ ولادت سے لیکر بعثت تک آپ ﷺ کی تربیت اور بعثت سے لیکر وصال مبارک تک آپ ﷺ کی تعلیم کس قدر ہم آہنگ ہے اسی نہج پر تعلیم و تربیت کی ہم آہنگی کا اہتمام آپ ﷺ نے اپنی اُمت کیلئے روا فرمایا۔ تعلیم و تربیت میں ہم آہنگی کی تفہیم کیلئے ضروری ہے علم کی تعریف اور رب کی تعریف چونکہ تعلیم و تربیت کی اصطلاحات اصل لغوی ماخذ سے بیان کر دی جائے ابتدائے مضمون میں ہم نے یہ بحث قصداً نہیں کی۔ بعثت سے قبل تعلیم و تربیت پر پیر کرم شاہ الازہری کا یہ اقتباس قارئین کی نظر کرتے ہیں:

”قریش اور دیگر رؤسا عرب کے ہاں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے والیوں کے حوالے کرتے تھے اس کی متعدد وجوہ تھیں۔

(۱) تاکہ ان کی بیویاں ان کی خدمت کیلئے فراغت پا سکیں۔

(۲) تاکہ ان کی اولاد صحرائی ماحول میں نشوو نما پائے اور انہیں فصیح عربی زبان میں مہارت حاصل ہو جائے۔

(۳) تاکہ صحرا کا پاک صاف ماحول میسر آئے اور وہ تندرست اور توانا ہوں۔ صحرائی زندگی کی جفا کشیوں اور مشقتوں کے وہ بچپن سے خوگر ہوں۔

(۴) تاکہ ان کے جدامجد حضرت معد کی جسمانی قوت اور ہڈیوں کی مضبوطی اور اعصاب کی پختگی کے اوصاف ان کو ورثہ میں ملیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو یہ نصیحت کیا کرتے تھے:

"تمعددوا وتمعززوا واخشوشنوا"

ترجمہ: "اے مسلمانوں معد کا تن و توش پیدا کرو، مشقت طلبی کو اپنا شعار بناؤ اور اپنے جسم اور اعصاب کو سخت بناؤ"

حضرت اقبال نے شاید اس ارشاد فاروقی سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی قوم کے نوجوانوں کو یہ نصیحت کی۔

رگ سخ چو شاخ آھو بیار تن نمر و نازک بتیہو گزار

"اپنے اعصاب کو ہرن کے سینگوں کی طرح مضبوط بناؤ اور نرم جسم تمہیں زیب نہیں دیتا یہ چیزیں کب کس کو زیب دیتی ہیں" مومن کے شایان شان نہیں"۔

گویا اسوقت کے رؤساء قریش اور امراء عرب اپنے بچوں کو اپنی ماں کی نرم و گداز آغوش میں پلتے ہوئے دیکھنے کے بجائے اس کو پسند کرتے تھے کہ وہ صحرا نشین قبیلوں کے پاس اپنے بچپن کو گزاریں تاکہ اس کی ریت اور اس کی کھردری پتھریلی زمین کی رگڑوں سے ان کے جسم میں مضبوطی پیدا ہو۔ اور ان کی فصیح و بلیغ زبان سیکھ کر وہ بہترین خطیب اور قائد بن سکیں۔

ایک دن حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آپ سے زیادہ کوئی فصیح نہیں دیکھا حضور نے ارشاد فرمایا:

"وما یمنعنی وانا من قریش وارضعت فی بنی سعد"

ترجمہ: "ایسا کیوں نہ کہ میں قبیلہ قریش کا فرزند ہوں اور میں نے اپنی رضاعت کا زمانہ بنی سعد قبیلہ میں گزارا"۔ ۷

اب ہم مختصراً تعلیم و تربیت کے لغوی و اصطلاحی معنی قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

تربیت کا لغوی معنی: "اہل" بنانے کے معنی میں آتا ہے۔ ۸

"علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: "الرب" اصل میں تربیت کے معنی میں مستعمل ہے تربیت کہتے ہیں سیکھانے کا مرحلہ رفتہ رفتہ اپنی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے درجہ کمال تک پہنچا دیتا ہے۔" ۹

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"رب: الرب فی الأصل التربیة وھو انشاء الشئی حالاً فحالاً الی حد التما، یقال ربه ورباہ وربیه وقیل لأن یربنی رجل من قریش احب الی من ان یربنی

رجل من هو ازن فا لرب مصدر مستعار للفاعل ولا يقال الرب مطلقا الا لله تعالى المتكلفل بمصلحةالموجودات نحو قوله (بلدة طيبة ورب غفور)وعلى هذا قوله تعالى :(ولا يأمركم أن تتخذوا الملائكة والنبين أربابا)أى آلهة وتزعمون أنهم البارى مسبب الأسباب،والمتولى لمصالح العباد وبالاضافة يقال له ولغيره نحو قوله (رب العالمين وربكم ابا ئكم الاولين)ويقال رب الدار ورب الفرس لصاحبهما وعلى ذلک قول الله تعالى :(أذكرنى عند ربک فأنساه الشيطان ذكر ربه)وقوله تعالیٰ :(أرجع الى ربک)وقوله:(قال معاذ الله انه ربى أحسن مثوى)قيل عنى به الله تعالیٰ ،وقيل عنى به الملک الذى رباه والاول أليق بقوله ـ والربانى قيل منسوب الى الربان ولفظ فعلان من فعل يبنى نحو عطشان وسكران وقلما يبنى من فعل وقد جاء نعسان وقيل هو منسوب الى الرب الذى هو المصدر وهو الذى يرب العلم كالحكيم وقيل منسوب اليه ومعناه يرب نفسه بالعلم وكلاهما فى التحقيق متلازمان لأن من رب نفسه بالعلم فقد رب العلم ومن رب العلم فقد رب نفسه به وقيل هو منسوب الى الرب أى الله تعالیٰ فالربانى كقولهم الهى وزيادةالنون فيه كزيادته فى قولهم :لحيانى وجسمانى قال على رضى الله عنه: (أنا ربانى هذه الأمة)والجمع ربانيون ـ قال تعالیٰ :(لو لا ينهاهم الربانيون والاحبار ـ كونوا ربانين)وقيل ربانى لفظ فى الأصل سريانى وأخلق بذلک فقلما يوجد فى كلامهم ،وقوله تعالى:(ربيون كثير)فالربى كالربانى ـ والربوبية مصدر يقال فى الله عز وجل والربا ية تقال فى غيره وجمع الرب أرباب قال تعالیٰ :(أرباب متفرقون خير أم الله والواحد القهار)ولم يكن من حق الرب أن يجمع اذ كان اطلاقه لا يتناول الا الله تعالیٰ لكن أتى بلفظ الجمع فيه على حسب اعتقاداتهم لا على ما عليه ذات الشئى فى نفسه والرب لا يقال فى التعارف الا فى الله ،وجمعه أربة، وربوب ،قال الشاعر :

كانت أربتهم حفرا وغرهم　　عقد الجوار وكانوا معشرا غدرا

وقال آخر:

وكنت امرا أفضت اليك وبابتی　　وقبلك ربنی فضعت ربوب

ويقال للعقد فی موالا ة الغير الربابة ولما يجمع فيه القدح ربابة واختص الراب والرابة بأحد الزوجين اذا تولی تربية الولد من ز وج كان قبله والربيب والربيبة بذلک الولدقال تعالىٰ :(ورب؟أبكم الاتی فی حجوركم)وربيت الأ ديم بالسمن والدوا ء بالعسل ، وساقه مر بوب ،قال الشاعر :(فكونی له كالسمن ربت له الأدم)والرباب السحاب سمی بذلک لأنه يرب النبات وبهذاالنظر سمی المطر درا ،وشبه السحاب باللقوح وأربت السحابة دامت وحقيقته أنها صارت ذات تربية ،وتصور فيه معنی الاقامة فقيل أرب فلان بمكان كذا تشبيهاً باقامة الرباب ،ورب لاستقلال لشئی ولما يكون وقتا بعد وقت نحو :(ربما يود الذين كفروا)"١٠

ترجمہ: "رب کے اصل معنی تربیت کرنا یعنی کسی چیز کو تدریجا نشوونما دے کر حد کمال تک پہنچانا کے ہیں اور تینوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں کسی نے کہا ہے کہ کسی قریش کا سردار ہونا مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے کہ بنی ہوازن کا کوئی آدمی مجھ پر حکمرانی کرے۔ رب کا لفظ اصل میں مصدر ہے اور استعارۃ بمعنی فاعل استعمال ہوتا ہے اور مطلق (یعنی اضافت اور لام کی تعریف سے خالی)ہونے کی صورت میں سوائے اللہ تعالیٰ کے، جو جملہ موجودات کے مصالح کا کفیل ہے، اور کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :(عمدہ شہر" آخرت میں گناہ بخشنے والا پروردگار) نیز فرمایا:(اور وہ تم سے (کبھی بھی) یہ نہیں کہے گا کہ فرشتوں اور انبیاء کرام کو خدا مانو)یعنی انہیں معبود بناؤ اور مسبب الاسباب اور مصالح عباد کو کفیل سمجھو۔ اور اضافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھی بولا جاتا ہے، اور دوسروں پر بھی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:(تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے)۔(یعنی اللہ کو جو تمہارا (بھی) پروردگار ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی) گھر کا مالک گھوڑے کا مالک اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا:(اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کرنا سو شیطان نے اس کو اپنے آقا سے تذکرہ کرنا بھلا دیا)۔ (اپنے سرکار کے پاس لوٹ جاؤ اور آیت:(یوسف نے کہا معاذاللہ وہ (تمہارا شوہر)میرا آقا ہے

اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے میں بعض نے کہا ہے کہ ربی سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور بعض نے عزیز مصر مراد لیا ہے لیکن پہلا انسب معلوم ہوتا ہے۔ ربانی بقول بعض یہ ربان (صیغہ صفت) فعل سے آتا ہے جیسے ''عطشان سکران'' اور فعل (فتحہ عین سے بہت کم آتا ہے جیسے بعض نے کہا کہ یہ رب مصدر کی طرف منسوب ہے اور ربانی وہ ہے جو علم کی پرورش کرے جیسے حکیم یعنی جو حکمت کو فروغ دے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ رب مصدر کی طرف ہی منسوب ہے اور ربانی وہ ہے جو علم سے اپنی پرورش کرے درحقیقت یہ دونوں معنی باہم متلازم ہیں کیونکہ جس نے علم کی پرورش کی تو اس نے علم کے ذریعہ اپنی ذات کی تربیت کریگا وہ علم کو بھی فروغ بخشے گا۔ بعض نے کہا کہ یہ رب بمعنی اللہ کی طرف منسوب ہے اور ربانی بمعنی الٰہی ہے (یعنی اللہ والا) اور اس میں الف نون زاید اتان ہیں جیسا کہ جسم ولحی کی نسبت میں جسمانی ولحیانی کہا جاتا ہے حضرت علی کا قول ہے :(میں اس امت کا عالم ربانی ہوں کی جمع ربانیون ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے: (انہیں ان کے ربی (یعنی مشائخ)(کیوں منع نہیں کرتے)(بلکہ دوسروں سے کہے گا تم خداپرست ہوکر رہو)۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ربانی اصل میں سریانی لفظ ہے اور یہی قول انسب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ عربی زبان میں یہ لفظ بہت کم پایا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ :(بہت سے اللہ والوں نے) میں ربی بمعنی ربانی ہے۔ یہ دونوں مصدر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے ''ربوبیۃ'' اور دوسروں کے لئے '' ربابیۃ'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ الرب (صیغہ صفت) جمع ارباب قرآن پاک میں ہے: بھلا دیکھو تو سہی کہ جدا جدا معبود اچھے یا خدائے یگانہ اور زبردست ہے۔ اصل تو یہ تھا کہ رب کی جمع نہ آتی کیونکہ قرآن پاک میں یہ لفظ خاص کر ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن عقیدۂ کفار کے مطابق بصیغہ جمع استعمال ہوا ہے اور ارباب کے علاوہ اس کی جمع اربۃ وربوب بھی آتی ہے۔

چنانچہ شاعر نے کہا ہے:

ان کے ہم عہد بنی بہز تھے جنہیں عقد جوار نے مغرور کر دیا
اور درحقیقت وہ غدار لوگ ہیں

دوسرے شاعر نے کہا:

تم وہ آدمی ہو جس تک میری سرپرستی پہنچی ہے تم سے پہلے
بہت سے میرے سرپرست بن چکے ہیں مگر میں ضائع ہو گیا ہوں

ربابۃ عہد و پیمان یا اس چیز کو کہتے ہیں جس میں قمار بازی کے تیر لپیٹ کر رکھے جاتے ہیں۔ ربۃ: وہ بیوی جو پہلے شوہر سے اپنی اولاد کی تربیت کر رہی ہو اس کا مذکر راب ہے۔ لیکن وہ اولاد جو پہلے شوہر سے ہو اور دوسرے شوہر کی زیر تربیت ہو یا پہلی بیوی سے ہو اور دوسری بیوی کی آغوش میں پرورش پا رہی ہو ربیب یا ربیبۃ کہا جاتا ہے اس کی جمع ربائب آتی ہے قرآن پاک میں ہے: (اور تمہاری بیویوں کی (پچھلی) اولاد جو تمہاری گودوں میں (پرورش پاتی ہے)۔ میں نے چمڑے کو گھی لگا کر نرم کیا۔ میں نے شہد سے دوا کی اصلاح کی پانی مشک جسے تیل لگا کر نرم کیا گیا ہو شاعر نے کہا ہے: (تم اس کے لئے ایسی ہو جاؤ جیسے رب لگا ہوا چمڑا گھی کے لیے ہوتا ہے)۔ الرباب: بادل کو کہتے ہیں کیونکہ وہ نباتات کی پرورش کرتا اور اسے بڑھاتا ہے اس معنی کے اعتبار سے مطر در (دودھ) اور بادل کو (یعنی دودھیل اونٹنی) کہا جاتا ہے محاورہ ہے۔ بدلی متواتر برستی رہی اور اس کے اصل معنی ہیں بدلی صاحب تربیت ہو گئی اس کے بعد اس سے ٹھہرنے کا معنی لے کر لفظ کسی جگہ مقیم ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے جیسے (اس نے فلاں جگہ پر اقامت اختیار کی)۔ رب تقلیل کے لیے آتا ہے اور کبھی تکثیر کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے فرمایا: (کافر بہتر ہی ارمان کریں گے (کہ) اے کاش (ہم بھی) مسلمان ہوئے ہوتے۔

انسانیت اور اخلاق کی تکمیل ہی تربیت کا اہم مقصد ہے تاکہ انسان اپنی ذمہ داریوں کو بحسن خوبی سرانجام دے سکے ۱۱ اور اپنی زندگی مقصدِ رضائے الٰہی سے بھٹکنے نہ دے اور جب بھی روشنی ورہنمائی لینی ہو تو قرآن و سنت اتباع نبوی سے مستفید و مستفیض ہو۔ ۱۲

تربیت قرون ثلثہ سے عصر حاضر تک اور اس کی اہمیت:

تربیت سے متعلق قرون ثلثہ سے عصر حاضر تک بے شمار کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ ۱۳ جن میں صحاح ستہ سے لیکر دیگر کتب حدیث میں "کتاب الادب" کے نام سے تسلسل کے ساتھ احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اور تمام مفسرین، منکرین اور دانشوروں نے مثلاً ابن خلدون، امام غزالی، امام بو علی سینا اور قاضی ابن جماعۃ وغیرہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتب میں تعلیم و تربیت اور طلباء کی نفسیات کے پیشِ نظر قلم اُٹھایا۔ ۱۴ اس کے برعکس اہلِ مغرب کے دانشوروں نے صرف حصول تعلیم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سب سے اہم پہلو کو نظر انداز کیا وہ تربیت ہے جسے انہوں نے ذاتی معاملہ قرار دیا تو اس کے نتائج ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ ۱۵

اس کے بر خلاف سعودی عرب میں وزارت تعلیم کے نام ''وزارۃ التعلیم والترابیۃ'' ہے اور اسی سے ملحق ادارہ ''التوعیۃ الاسلامیۃ'' ہے جس کا کام مختلف پروگرام کے ذریعے طلباء کی صحیح خطوط پر تربیت کرنا مقصود ہے۔

ماحول کا تربیت پر اثر:

ارشاد نبوی ﷺ ہے: کہ ''کل مولود۔۔۔۔۔۔وینصرانہ''[۱۶]

فرد معاشرے کی اکائی ہے اور ہر فرد اسلامی فطرت لیکر پیدا ہوتا ہے۔ پھر والدین اس کے ماحول کی اس طرح تربیت کرتے ہیں کہ وراثت میں والدین کا دیا ہوا مذہب اسے ملتا ہے۔ یعنی موسائی، عیسائی یا مسلمان یا غیر سامی مذاہب میں سے کوئی۔ اسی ماحول کے زیرِ اثر تربیت ہوتی ہے اور ماحول بنانے کے ذمہ دار معاشرہ کے تمام طبقے ہی ہوتے ہیں۔ جس کی آگاہی کے لئے رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

''کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ''[۱۷]

ترجمہ: ''تم سے ہر شخص اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی''

یعنی سب سے زیادہ ذمہ دار والدین اور اساتذہ ہی ہیں۔

مغربی اثرات و اقدار کا ہمارے معاشرے پر بھی اثر نظر آتا ہے۔ مثلاً مغربی تعلیم کے زیرِ اثر قائم کردہ نظامِ تعلیم کی بدولت ہمارے معاشرے میں بھی معلم کی حیثیت ایک معمولی درجہ کی ہو کر رہ گئی ہے۔

علم کا معنی:

علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وهو الاعتقاد الجازم المطابق للواقع، وقال الحكماء: هو حصول صورة الشئ فی العقل، والأول أخص من الثانی، وقيل: العلم هو ادراک الشئ علی ما هو به، وقيل: زوال الخفاء من المعلوم ،والجهل نقيضه، وقيل: هو مستغن عن التعريف، وقيل: العلم صفة راسخة يدرک بها الكليات والجزئيات، وقيل: العلم وصول النفس الى معنى الشئ، وقيل: عبارة عن اضافة مخصوصة بين العاقل والمعقول، وقيل عبارة عنصفة ذات صفة۔ العلم ينقسم الى قسمين:

قديم و حادث، فالعلم القديم: هو العلم القائم بذاته تعالىٰ ولا يشبه بالعلوم المحدثة للعباد،والعلم المحدث ينقسم الىٰ ثلاثة أقسام بديهى وضرورى و استدلالى، فالبديهى: مالا يحتاج الى تقديم مقدمة كالعلم بوجود نفسه، وأن الكل أعظم من الجزء۔ والضرورى: مالا يحتاج فيه الىٰ قديم مقدمة كالعلم الحاصل بالحواس الخمس۔ والاستدلالى:مايحتاج الىٰ تقديم مقدمة كالعلم بثبوت الصانع وحدوث الأعراض"۱۸؎

ترجمہ: ''علم اس پختہ یقین کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو اور حکماء کہتے ہیں کہ کسی شے کی صورت کا عقل میں حاصل ہونا اس طرح پہلا قول خاص ہوا دوسرے قول سے (کیونکہ حکماء کا قول مطلق کسی بھی شے کی صورت کا حاصل ہونا خواہ وہ واقعہ کے مطابق ہو یا نہ ہو)اور یہ بھی کہا گیا ہے کسی شے کا ادراک کرلینا ایک قول یہ بھی ہے کہ پوشید گی کا ازالہ معلوم سے اور جہالت علم کی نقیض؟ ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علم تعریف سے مستغنی ہے،ایک قول یہ بھی ہے کہ علم ایسی صفتِ راسخ کانام ہے جس کے ذریعہ کلیات اور جزئیات کا ادراک کیا جاسکے،اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نفس کو شے کے معنی سے آشنا کرانا،علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے قدیم اور حادث پس قدیم علم ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے جب کہ علم حادث کو مزید تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے علم بدیہی، علم ضروری اور علم استدلالی ،پس علم بدیہی وہ علم ہے جو کسی مقدمۃ العلم یعنی غور و فکر کے بغیر ہمیں حاصل ہو جائے جیسے اپنی ذات کی موجودگی کا علم، کل بڑا ہوتا ہے جز سے علم ضروری بھی کسی چیز مقدمۃ العلم کا محتاج نہیں جیسے ہم حواسِ خمسہ سے حاصل کرتے ہیں جب کہ علم استدلالی تکلفات کا محتاج ہوتا ہے"

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"علم:العلم ادراک الشئ بحقیقة،وذالک ضربان :أحدھما ادراک ذات الشئ ،والثانى الحكم على الشئ بوجود شئ هو موجوله أو نفى شئ هو منفى عنه۔ فالاول هو المتعدى الىٰ مفعول واحد نحو(لا تعلمونهم الله يعلمهم)والثانى المتعدى الى مفعولين نحو قوله :(فان علمتمو هن مؤمنات)وقوله: (يوم يجمع الله الرسل)الى قوله:(لا علم لنا)فاشارة الىٰ أن عقولهم طاشت ۔والعلم من وجه

ضربان نظری وعملی .فالنظری ما اذا علم فقد کمل نحو العلم بمو جو دات العالم .والعملی مایتم الا بأن یعمل کالعلم بالعبادات .ومن وجه آخر ضربان: عقلی وسمی،وأعلمته واعلمته فی الأصل واحد ال؟أن الاعلام اختص بما کان با خبار سریع،والتعلیم اختص بما یکون بتکریر وتکثیر حتی یحصل منه أثر فی نفس المتعلم۔قال بعضهم :التعلیم تنبیه۔النفس لتصور المعانی،والتعلم تنبه النفس لتصور ذلک وربما استعمل فی معنی الاعلام اذا کان فیه تکریر نحو (أتعلمون الله بدینکم)فمن التعلیم قوله :(الرحمن علم القرآن۔علم بالقلم۔ وعلمتم مالم تعلموا۔ علمنا منطق الطیر۔ ویعلمهم الکتاب والحکمة) ونحو ذلک۔وقوله(وعلم آدم الأسماء کلها)فتعلیمه الاسماء هو أن جعل له قوة بها نطق ووضع أسمآء الاشیاء وذلک بالقاۂ فی روحه .وکتعلیمه الحیوانات کل واحد منها فعلا یتعاطه وصو تا یتحرما ه .قال :(علمنا من لدنا علما)قا ل له موسیٰ: (هل أتبعک علی أن تعلمن مما علمت رشدا)قیل عنی به العلم الخاص الخفی علی البشر الذی یرونه مالم یعرفهم الله منکرا بدلالة مارآه موسیٰ منه لما تبعه فأ نکره حتیٰ عرفه سببه ۔قیل وعلی هذا العلم فی قوله :(قال الذی عنده علم من الکتاب)وقوله تعالیٰ (والذین أوتو العلم درجارت)فتنبیه من تعالیٰ علی تفاوت منازل العلوم وتفاوت أربابها ۔وأما قوله :(وفوق کل ذی علم علیم)فعلیم یصح أ ن یکون اشارة الی الانسان الذی فوق آخر ویکون تخصیص لفظ العلیم الذی هو للمبالغة تنبیها أنه بالاضافة الی الاؤل علیم وان لم یکن بالاضافة الی من فوقه کذلک .ویجوز أن یکو ن له قوله علیم عبارة عن الله تعالیٰ وان جاء لفظه منکرا اذا کان الموصوف فی الحقیقة بالعلیم هو تبارک وتعالیٰ، فیکون قوله:(وفوق کل ذی علم علیم)اشارة الی الجماعة بأسرهم لاالی کل واحد بانفراده۔ وقوله (علام الغیوب)فیه اشارة الی أنه لایخفی علیه خافیه۔ وقوله:(عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه أحدا الامن ارتضی من رسول)فیه اشارة أن الله تعالیٰ علما یخص به أولیاء ہ“ ۱۹؎

ترجمہ: ”علم: کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا اور یہ دو قسم پر ہے اور اول یہ کہ کسی چیز کی ذات کا ادراک کرلینا: دوم ایک چیز پر صفت کے ساتھ حکم لگانا جو (فی الواقع) اس کے لئے ثابت ہو یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو (فی الواقع) اسے منفی ہو۔ پہلی صورت میں یہ لفظ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ جیسا قرآن پاک میں ہے: (جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے) اور دوسری صورت میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے فرمایا: (اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں)۔ اور آیت کے آخر میں ”لا علم لنا“ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے ہوش و حواس باقی نہیں رہیں گے۔ ایک دوسری حیثیت سے علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) نظری۔ (۲) عملی۔ نظری وہ ہے جو حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے جیسے وہ علم جس کا تعلق موجودات عالم سے ہے اور علم عملی وہ ہے جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے جیسے عبادات کا علم ایک اور حیثیت سے بھی علم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عقلی، یعنی وہ علم جو محض عقل سے حاصل ہو نہ بلکہ بذریعہ نقل و سماعت کے حاصل کیا جائے در اصل ہو سکے۔ (۲) سمعی عینی وہ علم جو محض عقل سے حاصل ہو ”اعلمتہ وعلمتہ“ کے ایک معنی ہیں مگر ”اعلام“ جلدی بتادینے کے ساتھ مختص ہے اور ”تعلیم“ کے معنی بار بار کثرت کے ساتھ خبر دینے کے ہیں۔ حتیٰ کہ متعلّم کے ذہن میں اس کا اثر پیدا ہو جائے۔ بعض نے کہا کہ ”تعلیم“ کے معنی تصور کے لئے نفس کو متوجہ کرنا کے ہیں اور ”تعلم“ کے معنی ایسے تصور کی طرف متوجہ ہونا کہ اور کبھی ”تعلیم“ کا لفظ ”اعلام“ کی جگہ آتا ہے کہ جب اس میں تاکید کے معنی مقصود ہوں جیسے فرمایا: (کیا تم خدا کو اپنی دینداری جتلاتے ہو)۔ اور حسب ذیل آیات میں ” تعلیم“ لفظ استعمال ہوا جیسے فرمایا: (خدا جو نہایت مہربان، اس نے قرآن کی تعلیم فرمائی)۔ (قلم کے ذریعے (لکھنا) سکھایا)۔ (اور تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو تم جانتے تھے) (ہمیں خدا کی طرف سے جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے)۔ (اور خدا کی کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں) اور آیت کریمہ: (اور اس نے آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام سکھائے)۔ میں آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دینے کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے اندر بولنے کی صلاحیت او استعداد رکھدی جس کے ذریعہ اس نے ہر چیز کے لئے ایک نام وضع کر لیا یعنی اس کے دل میں القا کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو ان کے کام سکھا دیئے ہیں جسے وہ سرانجام دیتے رہتے ہیں اور آواز دی ہے جسے وہ نکالتے رہتے ہین۔ اور آیت کریمہ: (اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ جو علم خدا

کی طرف سے آپ کو سکھلایا گیا ہے اگر آپ مجھے اس میں سے کچھ رشد وہدایت (کی باتیں) سکھادیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں)۔ کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ اس سے ایک خاص علم مراد ہے جس پر انسان از خود واقف نہیں ہو سکتا اور جب تک اللہ تعالیٰ اس پر واقف نہ فرمائے لوگ اسے قابل انکار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے ساتھ چلے تو جب تک انہوں نے ان واقعات کی حقیقت سے موسیٰ علیہ السلام کو باخبر نہیں کر دیا وہ ان باتوں کا انکار ہی کرتے رہے اور بعض نے کہاہے کہ آیت کریمہ :(ایک شخص جس کو کتاب الٰہی کا علم تھا کہنے لگا، میں بھی علم کے یہی معنی مراد ہیں جسے علم خصوصی حاصل تھااور آیت:(اور جن کو علم عطا کیا گیاہے خدا ان کے درجے بلند رر کھے گا) ۔میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ مراتب علم کے اعتبار سے علماء کے بھی مختلف درجے اور مرتبے ہیں اور آیت کریمہ :(اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے)۔ میں ”علیم “کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ علم و فضل کے اعتبار سے ایک انسان دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ ”علیم“ صیغۂ مبالغہ لا کر اس علمی فضیلت کو بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہر شخص اپنے سے کم درجہ کے اعتبار سے ”علیم“ ہے گو اپنے سے بلند درجہ عالم کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”علیم“ سے ذات باری تعالیٰ مراد ہو گو یہ لفظ نکرہ ہے کیونکہ در حقیقت اس صفت کے ساتھ موصوف ہونے کی اہل ذات باری تعالیٰ ہی ہے اس صورت میں ”کل ذی علم“ سے جملہ اہل علم بحیثیت مجموعی مراد ہوں گے اور ہر ایک بحیثیت انفرادی مراد نہیں ہو گا جیسا کہ پہلی صورت میں تھا۔ اور آیت کریمہ :(اور وہ غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے)۔ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اور کوئی چیز بھی اس پر مخفی نہیں ہے۔ اور آیت کریمہ :(وہی غیب کا جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے)۔ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ اپنے علم خصوصی سے صرف ان ہی کو نوازتے ہیں جو اس کے اولیاء کی صف میں داخل ہوں“

تعلیم وتربیت کی ہم آہنگی اُمت کے لئے:

مساوات:

بنو مخزوم کی ایک عورت کی چوری کیوجہ سے قریش بہت پریشان ہوئے انہوں نے کہا کہ اس سلسلے میں حضرت اُسامہ بن زید کے سوا اور کوئی بھی آپ ﷺ سے سفارش نہیں کر سکتا کیونکہ و حضور ﷺ

کو بہت عزیز ہیں۔ حضرت اُسامہ نے آپ ﷺ سے اس عورت کی سفارش کی ۔ آپ ﷺ نے فرمایا:"تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟"

پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

"اے لوگوں! تم سے پہلی اُمتیں اس وجہ سے ہلاک ہو گئیں کہ جب اس میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اُس کو چھوڑ دیتے ،اور جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے ، بخدا اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا"۲۰

اسلام نے جو اصول اور قانون کی مساوات قائم کی ہے اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ جنگ ، بدر میں جو کفار قید ہوئے تھے ان کو چار چار درہم کے عوض آزاد کیا جارہا تھا۔اُن جنگی قیدیوں میں حضرت عباسؓ تھے جو حضور ﷺ کے چچا تھے اس قرابت کے پیش نظر انصار نے رسول اللہ ﷺ سے ان کا فدیہ معاف کر دینے کی درخواست کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس درخواست کو منظور نہیں فرمایا اس موقع پر آپ ﷺ نے جو جواب دیا اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے:

"عن انس بن مالک ان رجالا من الانصار استأذ نوا رسول الله ﷺ فقالوا ائذن لنا فلنترک لابن اختنا عباس فداء ہ قال لا والله لا تذرون منه درهما"۲۱

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: حضور ﷺ آپ اجازت دیں تو ہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ چھوڑ دیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بخدا عباس رضی اللہ عنہ کے فدیہ سے ایک درہم بھی کم نہ کرو"

اصول کے معاملے میں آپ کبھی کسی سے رعایت نہیں کرتے تھے ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے پانی مانگا ہم نے بکری کا دودھ دوہا اور اس میں اپنے کنوئیں کا پانی ملا کر آپ کو پیش کیا۔(اس مجلس میں)حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بائیں جانب تھے ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے تھے ،اور ایک اعرابی آپ ﷺ کے دائیں جانب تھا، جب آپ ﷺ پی چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ ابو بکر ہیں(تاکہ آپ بچا ہوا مشروب ابو بکر کو دیں اور دائیں جانب کی رعایت سے اعرابی کو نہ دیں) آپ ﷺ نے بچا ہوا مشروب اس اعرابی کو دے دیا اور فرمایا:

"دائیں جانب والے مقدم ہوتے ہیں، سنو! دائیں جانب سے ابتداء کیا کرو، یہی سنت ہے، یہی سنت ہے، یہی سنت ہے"!

رسول اکرم ﷺ اصول قائم کیا تھا کہ دائیں جانب سے ابتداء کی جائے اور اگر کسی وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ایک عام دیہاتی آپ ﷺ کے دائیں جانب ہوا تو آپ ﷺ نے اصول نہیں توڑا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تمام اسلامی خدمات شرف اور مرتبے کے باوجود ان کی رعایت نہیں کی اور اصول کی بناء پر ان کے مقابلہ میں ایک بدو کو مشروب عطا فرمایا۔

غزوۂ بدر میں سواریوں کا انتظام بہت کم تھا، تین آدمیوں کے لئے ایک اُونٹ تھا لوگ باری باری چڑھتے اترتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اُونٹ میں دو آدمیوں کے ساتھ شریک تھے، ہمراہی جانثارانہ اپنی باری پر آپ ﷺ کو سوار ہونے کی پیش کش کرتے اور عرض کرتے۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ سوار رہیں آپ کے بدلے ہم پیدل چلیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"نہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چل سکتے ہو نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں"۲۲ے

مسلمان کی حرمت:

حضور سید عالم ﷺ نے ایک مومن کی جان ومال اور آبرو کو دوسرے تمام لوگوں کے لئے محترم قرار دیا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے طویل خطاب میں ارشاد فرمایا:

"ان دمآء کم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یو مکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھر کم ھذا وستلقون ربکم فیسئلکم فن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضلا لا یضرب بعضکم رقاب بعض"۲۳ے

ترجمہ: "لوگوں! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ آج کے اس دن کی حرمت ہے تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینہ میں تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو"۔

امام مسلم نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت حرام (محترم) ہے"۲۴ے

ایک مومن کے احترام کا اس سے بڑھ کر کیا تصور ہو سکتا ہے کہ تاجدارِ مدینہ ﷺ نے بیت اللہ شریف سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”لا الہ اللہ م؟آ طیبک اوطیب ریحک وأعظم حرمتک والمؤمن اعظم حرمۃ منک اللہ ‘اللہ جعلک حراماً وحرم من المؤمن مالہ ودمہ وعرضہ وأن یظن بہ ظنا سیئا“ ۲۵؎

(لا الہ الا اللہ) تو کتنا طیب ہے اور تیری خوشبو کیسی طیب اور تیری حرمت کیسی عظیم ہے اور ایک مومن کی حرمت تجھ سے بھی عظیم ہے۔ اللہ نے تجھے حرام (حرمت والا) قرار دیا ہے۔ اور ایک مومن کے مال، اور خون اور اس کی عزت کو بھی حرامت والا بنایا ہے یہاں تک کہ اس کے متعلق بر اگمان کرنے کو بھی (حرام قرار دیا ہے)۔“

نبی کریم ﷺ نے ایک مومن کی تعظیم کو کتاب اسلام میں ایک اہم باب کی حیثیت دی ہے اور اس تعظیم کو اس قدر لازم قرار دیا کہ ارشاد فرمایا:

”لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا“

ترجمہ: ”وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا ادب نہیں کرتا“

اکابر کے اداب کی تربیت دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

”قوموا الی سیدکم“

”اپنے سردار کے لئے اُٹھو“

عصبیت کی ممانعت:

رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا:

”أمن العصبیۃ أن یحب الرجل قومہ ؟قال لا ولکن من العصبیۃ أن یعین الرجل قومہ علی الظلم “ ۲۶؎

ترجمہ: ”کیا کسی شخص کا اپنی قوم سے محبت کرنا عصبیت ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، بلکہ یہ بات عصبیت سے ہے کہ کوئی شخص ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے“۔

سیدنا ابو عقبہ رضی اللہ عنہ اہل فارس میں سے ایک آزاد کردہ غلام تھے، آ ﷺ فرماتے ہیں:

''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اُحد میں شریک ہوا تو میں نے مشرکین میں سے ایک شخص کو ضرب لگاتے ہوئے کہا یہ مجھ سے لو اور میں فارسی غلام ہوں۔ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ مجھ سے لو اور میں فارسی ہوں''۲۶؎

تو رسول اکرم ﷺ نے اس انداز میں علاقائی نسبت کی بجائے دینی نسبت کی طرف متوجہ کیا۔ اور عملاً اس کا توڑ یوں فرمایا کہ سیدنا زید اور ان کے صاحبزدے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہما کو مختلف مواقع پر اسلامی فوج کی کمان سونپ دی جب ان کے زیر کمان جلیل القدر صحابۂ کرام بھی موجود تھے۔ بعض صحابۂ کرام کے اعتراض کے باوجود حضور ﷺ نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا اور صحابۂ کرام سے ارشاد فرمایا:

''وایم اللہ لقد کان خلیقا للامارۃ''۲۷؎

''اللہ کی قسم وہ امارت کے لائق تھے''۔

یعنی تم طبقاتی تعصب کا شکار نہ ہوا گرچہ سیدنا زید بن حارث غلام تھے لیکن آپ ﷺ نے ان کو جس منصب کے لائق سمجھا عطا فرمایا اور یوں پوری انسانیت کو یہ درس دیا کہ اسلام ان تعصبات کا شکار ہونے کی بجائے معیار اور عدل وانصاف کو فوقیت دیتا ہے۔

اخوت کی ترغیب:

آپ ﷺ نے فرمایا: ''المسلم اخوالمسلم''۲۸؎

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے''

آپ ﷺ نے لسانی ، علاقائی، طبقاتی اور نسلی امتیازات کے تمام بتوں کو توڑ کر صرف اسلامی رشتے کو مضبوط کیا۔ گویا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے چاہے دونوں مختلف علاقوں کے باسی ہوں، دونوں کی زبانیں مختلف ہوں دونوں کے درمیان نسلی امتیاز بھی قائم ہوں اور بظاہر طبقاتی اونچ نیچ بھی ہو۔ اسی رشتۂ اسلام کی وجہ سے محمود ایاز کا فرق مٹ جاتا ہے اور بندہ بندہ نواز کا امتیاز بھی کافور ہو جاتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تحفظ عطا کیا تو اس میں بھی اسلامی تعلق کو سامنے رکھا اور ارشاد فرمایا:

''المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ''۲۹؎

ترجمہ: ''کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں''۔

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اسلام کی بہترین خصلت کیا ہے تو فرمایا:

"تطعم الطعام و تقری ء السلام علی من عرفت و من لم تعرف"۳۰؎

ترجمہ: "کھانا کھلانا اور سلام کرنا خواہ اس کو پہچانتے ہو یا نہیں"

یعنی سلام جو سلامتی اور امن کا پیغام ہے اس کیلئے ان تمام تعصبات کو نظر انداز کر دیا۔ ہجرت سے کچھ عرصے پہلے بیعت عقبہ کے موقع پر اس بیعت میں شامل سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"انی من النقباء الذین بایعوا رسول اللہ ﷺ وقال: بایعناہ علی ان لا نشرک باللہ شیئا ولا نسرق ولا نزنی والا نقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق"۳۱؎

ترجمہ: "میں رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنے والے نقیبوں میں سے ہوں اور ہم نے آپ ﷺ کی بیعت ان باتوں پر کی کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شرک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، اور اللہ تعالیٰ کی محترم ٹھہرائی ہوئی جان کو ناحق قتل نہیں کریں گے"

والدین کا احترام:

"عن بھز حکیم عن ابیہ عن جدہ قال قلت یا رسول اللہ من اُبر ؟قال اُمک قلت ثم من قال اُمک قلت ثم من قال اُمک قلت ثم من قال اباک ثم الاقرب فالاقرب"۳۲؎

"حضرت بہز بن حکیم نے اپنے والد اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ سے پوچھا: یارسول للہ ﷺ! میں کس کیساتھ نیکی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ماں کے ساتھ، میں نے پوچھا: اس کے بعد، فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، میں نے پوچھا اس کے بعد، فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، میں نے عرض کیا: اس کے بعد: فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ، پھر اس کے بعد جو قریبی رشتہ دار ہو"

اس حدیث مبارکہ میں آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے تین مرتبہ ماں کو حسن سلوک کا حق دار قرار دیا اور چوتھی مرتبہ باپ اور دیگر رشتے داروں کو۔

حضرت مغیرہ بن شبہ کی روایت ہے، آقا ﷺ نے فرمایا:

"ان اللہ حرم علیکم عقوق الامھات"۳۳؎

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ماں کی نافرمانی کو تم پر حرام کیا ہے"

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"الجنة تحت اقدام اُمهاتكم"۳۴

"جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہیں"

ایک موقع پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما نے کسی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"الزم رجلها فثم الجنة"۳۵

"ماں کے قدموں سے چمٹے رہو کہ جنت وہیں ہے"

بیٹیوں سے محبت:

"من ابتلی من هذاه البنات بشيیء فاحسن اليهن كن له سترا من النار"۳۶

ترجمہ: "جو شخص ان بچیوں کا باپ بننے سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لئے آتشِ جہنم سے پردہ ثابت ہوں گی"۔

"من عال جاريتين حتیٰ تبلغا جآء يوم القيامة انا وهو هكذا وضم اصابعه"۳۷

ترجمہ: "جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغہ ہو گئیں تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح کھڑے ہوں گے، یہ فرمایا اور اپنی اُنگلیوں کو باہم پیوست کر دیا"

"من كانت له انثيو لم يئد هاولم يهنها ولم ؤثر عليها ادخله الله الجنة"۳۸

ترجمہ: "جس کی ایک بچی ہو، وہ اسے زندہ درگور نہ کرے۔ اس کی توہین بھی نہ کرے، اپنے بیٹے کو اس پر فوقیت بھی نہ دے تو اس امر کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا"۔

"ان النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قال لسراقة بن جعشم الا ادلک علی اعظم الصدقة او من اعظم الصدقة قال بلی یا رسول قال ابنتک المردودة اليک ليس لها كاسب غيرک"۳۹

ترجمہ: "نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سراقہ بن جعشم سے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑے صدقہ پر آگاہ نہ کروں؟ عرض کیا! ضرور مہربانی فرمایئے۔ فرمایا: تیری وہ بیٹی جو (طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا اس کے لئے کوئی کمانے والا نہ ہو"۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن، سورہ آل عمران۔۱۶۴۔

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ:۲۳۱۔

۳۔ احیاء العلوم، جلد سوم، صفحہ:۲۰ تا۸۹۔

۴۔ حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، صفحہ:۱۵۴۔

۵۔ صحیح بخاری۔

۶۔ ضیاء النبی، ج،۲، صفحہ:۶۵۔۶۶۔

۷۔ المنجد۔

۸۔ فیروز الغات۔

۹۔ تفسیرِ بیضاوی، ج/۱،۔

۱۰۔ کتاب المفردات، صفحہ:۱۸۴۔

۱۱۔ اصول التربیت الاسلامیہ والسالیبھانی البیت والمدرستہ والمجتمع مصنف عبد الرحمن الخلادری۔

۱۲۔ الترغیب والترہیب۔

۱۳۔ تعلیم اور معاشرتی تبدیلی، صفحہ:۳۱۶۔

۱۴۔ اصول التربیت الاسلامیہ والسالیبھانی البیت والمدرستہ والمجتمع۔ صفحہ:۱۰۹۔

۱۵۔ الاجوبۃ المرضیۃ فیما سئل السخاوی۔ عنہ من الاحادیث البویۃ۔

۱۶۔ صحیح بخاری جلد،۳، صفحہ:۲۷۸۔

۱۷۔ تعلیم اور معاشرتی تبدیلی، صفحہ:۲۲۷۔

۱۸۔ التعریفات، صفحہ:۱۵۷ تا۱۵۸۔

۱۹۔ المفردات فی غریب القرآن، صفحہ:۳۴۳ تا۳۵۳۔

۲۰۔ صحیح بخاری، جلد،۲، صفحہ:۱۰۰۳۔

۲۱۔ صحیح بخاری، جلد،۲، صفحہ:۵۷۲۔

۲۲۔ مسند احمد، جلد۔۱، صفحہ:۴۴۲۔

۲۳۔ صحیح بخاری، باب حجۃ الوداع۔

۲۴۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ۔

۲۵۔ کنزل العمال، رقم الحدیث:۸۲۰۔

۲۶۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب المفاخرت والعصبیۃ۔ صفحہ:۴۱۸۔

۲۷۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی باب غزوہ زید بن حارثہ، جلد۔۲، صفحہ:۶۱۔
۲۸۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، صفحہ:۴۲۲۔
۲۹۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، صفحہ:۱۲۔
۳۰۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الاداب باب السلام، صفحہ:۳۹۷۔
۳۱۔ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، صفحہ:۶۵۴۔
۳۲۔ صحیح ترمذی۔
۳۳۔ صحیح بخاری۔
۳۴۔ کنزالعمال، صفحہ:۴۹۔
۳۵۔ صحیح ماجہ۔
۳۶۔ صحیح بخاری(بحوالہ۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور تعلمات کی روشنی میں احترام آدمیت)۔
۳۷۔ صحیح بخاری(بحوالہ۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور تعلمات کی روشنی میں احترام آدمیت، صفحہ:۴۲۱)۔
۳۸۔ صحیح مسلم(بحوالہ۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور تعلمات کی روشنی میں احترام آدمیت، صفحہ: ۴۲۱)۔
۳۹۔ صحیح ترمذی(بحوالہ۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور تعلمات کی روشنی میں احترام آدمیت، صفحہ:۴۲۲)۔
۴۰۔ صحیح ابن ماجہ(بحوالہ۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور تعلمات کی روشنی میں احترام آدمیت، صفحہ:۴۲۲)۔

رواداری کا تصور تعلیمات نبویہ کی روشنی میں

محمد الطاف سلطانی، (ایم فل سکالر) ☆ ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، (اسسٹنٹ پروفیسر)
شعبہ علوم اسلامیہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور ☆ صدر شعبہ عربی، منہاج یونیورسٹی، لاہور

رواداری کا مفہوم عدم برداشت اور تعصب کے برعکس پہچانا جاتا ہے۔ تعصب کی اصل اور اس کا مصدر انسانی تاریخ میں یک طرفہ سوچ اور تنگ ہے، مقالے کا موضوع سیرت نبوی کی روشنی میں رواداری پر مشتمل تعلیمات اور سیرت طیبہ کے عملی مظاہر ہیں، پیش نظر مقالے میں اِس بات کا جائزہ لیا جائے گا عصر حاضر کے بعض مسلمان شدت پسندی کے راستے پر گامزن ہیں، رواداری کے حوالے سے ہمیں سیرت طیبہ اور نبوی تعلیمات سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟ لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے رواداری کے معنی و مفہوم کو سمجھا جائے تاکہ سیرت طیبہ کی روشنی میں رواداری کی مختلف صورتوں اور حدود و قیود کو سمجھنے میں آسانی ہو، سب سے پہلے رواداری کے لغوی و اصطلاحی معنی کو عربی، اردو اور انگریزی کی مختلف لغات کی روشنی میں بیان کیا جائے گا، کیونکہ رواداری انسانی زندگی میں پر امن بقائے باہمی کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے عصر حاضر میں مختلف معاشرتی مسائل کے تناظر میں رواداری کی ضرورت اور اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

رواداری کا لغوی معنی:

رواداری فارسی زبان کا لفظ ہے اور بطور اسم مؤنث استعمال ہوتا یہ دو کلمات (رواداری) کا مجموعہ ہے۔ جس کا معنی کسی بات کا روا رکھنا اور اسے جائز سمجھنا ہے۔

ڈاکٹر سید باحیدر شہریار نے فرہنگ اردو، فارسی میں رواداری کی درج ذیل تعریف کی ہے:

روا جایز مجاز، داری جایز دانستن کاری یا چیز یا امری۔ تحمل،

”رواداری (دو کلمات کا مجموعہ ہے) جن میں روا اسم مذکر ہے اور اس کا معنی ہے کسی بات کو جائز رکھنا ہے۔ وہ بات جس کی اجازت دی گئی ہو اور (داری) اسم مونث ہے اس سے مراد کسی چیز کام یا معاملے کو جائز سمجھنا اور تحمل اختیار کرنا ہے۔“(۱)

اس تعریف کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رواداری، فارسی الاصل لفظ ہے اور اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے، اردو زبان میں اس کا معنی روا رکھنا، جائز، مباح اور منظور کرنا کیا جاتا ہے۔ ذیل میں اردو، انگریز اور عربی لغت کی مختلف کتابوں سے رواداری کا لغوی معنی بیان کیا جاتا ہے۔

اُردو میں رواداری کا معنی:

اردو میں لفظ رواداری کا معنی و مفہوم چند مشہور اردو ڈکشنریز کے حوالے سے درجِ ذیل ہے:

فرہنگ آصفیہ:

سید احمد دہلوی نے اپنی شہر آفاق کتاب فرہنگ آصفیہ میں رواداری کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے لفظ (روا رکھنا) ذکر کیا ہے اور اسی لفظ سے رواداری کا مفہوم مراد لیا اور روا رکھنا کے درج ذیل معنی بیان کیے ہیں۔

"روا رکھنا بطور فعل معتدی استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی ہے جائز رکھنا، مباح سمجھنا، مظور کرنا۔"(۲)

فیروز اللغات:

اسی طرح اردو لغت کی مشہور کتاب فیروز اللغات میں مولوی فیروز الدین لفظ رواداری کی وضاحت درج ذیل سے کرتے ہیں :

"رواداری (ف۔ا۔مث)یعنی رواداری فارسی کا لفظ ہے، بطور اسم مونث استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں بے تعصبی اور رعایت کے ساتھ کسی فعل کو جائز رکھنا۔"(۳)

اردو لغت:

وفاقی وزارت برائے انفارمیشن ٹیکنالوجی حکومت پاکستان کی آن لائن اردو لغت میں رواداری درج ذیل تعریف کی گئی ہے۔

"رواداری فارسی کا لفظ ہے، روادار کے ساتھ "ی"بطور لاحقہ کیفیت ملا کر بنایا گیا ہے اردو زبان میں سب سے پہلے ۱۹۲۲ء میں نقش فرہنگ میں مستعمل ملتا ہے۔ اس کا معنی کسی بات کو جائز رکھنا ہے اور اس کے درج ذیل مترادفات ہیں : فراخدلی، تحمل، بردباری۔"

انگریزی میں لفظ رواداری کا مترادف:

انگریزی زبان میں رواداری کا ہم معنی لفظ Tolerance ہے مگر بعض اوقات Harmony اور Integration کے ذریعے بھی رواداری کا معنی و مفہوم لے لیا جاتا ہے، ذیل میں ان الفاظ کی وضاحت کی جاتی ہے۔

Tolerance,Harmony,Integration

آکسفورڈ ڈکشنری:

انگریزی لغت کی کتاب آکسفورڈ لرنر ڈکشنری Harmony کے مندرجہ ذیل لغوی معنی بیان کیے گئے ہیں :

Harmony:A state of agreement in feeling interests, opinions.

''رواداری (انسانی رویےمیں) مختلف احساسات مفادات اور تصورات میں ہم آہنگی کا نام ہے۔''

چیمبر ڈکشنری:

اسی طرح Tolerance بھی انگریز ی لغت میں رواداری کا ہم معنی لفظ ہے اور انگلش ڈکشنری (Chmabers) میں Tolernace کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔

Tolerance:The ability to endure

انگلش میں لفظ tolerence کا معنی ہے: ''برداشت کرنے کی صلاحیت۔''

یعنی انسانی طبیعت میں دوسروں کے تصورات اور اعتقادات کے اختلاف کو برداشت کرنے کی جو صلاحیت اور طاقت پائی جاتی ہے اسے tolrance کہتے ہیں۔

عربی میں لفظ رواداری کا مترادف:

رواداری کے لیے عربی میں تسامح کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ۔لفظ تسامح کا مادہ اشتقاق سمح (س۔م۔ح) ثلاثی مجرد ہے اور اس معنی جودوسخاوت اور سہولت ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے اہل لغت کہتے ہیں :(رجل سمح)یعنی سخی آدمی۔(۴)

لفظ سمح فعل صحیح ثلاثی مجرد ہے اس کے کئی مصادر ہیں، اہل لغت نے اس کے جو مصادر ذکر کیے ہیں ان میں سماحۃ سموح، سموحۃ اسمح آتے ہیں۔(۵)

کتاب العین:

لغت کے مشہور امام خلیل بن احمد فراہیدی نے سمح کا درج ذیل معنی بیان کیا ہے:

سمح سماحۃ :(و سمح ای) جاد بمالہ (٦)

"سمح سے مصدر سماحۃ آتا ہے اور سمح کا معنی ہے: اس نے اپنے مال سے سخاوت کی۔"

الصحاح:

امام جوہری کے نزدیک بھی لفظ سمح سخاوت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا مصدر سماح بھی آتا ہے۔ وہ اپنی کتاب الصحاح میں بیان کرتے ہیں۔

سَمَحَ السماح والسماحۃ: الجود (٧)

"سمح سماح اور سماحۃ مصدر سے ماخوذ اور اس کا معنی جود و سخاوت ہے۔"

لسان العرب:

ابن منظور افریقی سمح کا درج ذیل معنی بیان کرتے ہیں :سمح السماح و السماحة :الجود

"سمح سماح اور سماحة مصدر سے ماخوذ اور اس کا معنی جود و سخاوت ہے۔"(٨)

"سمح (فعل) سماح اور سماحة سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی جود و سخاوت کرنا ہے۔"

حدیث قدسی میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

اسمحوا لعبدی کاسماہ الی عبیدی۔(٩)

(آج روز حساب تم) میرے بندے پر کرم کرو جیسے یہ (دنیا میں) میرے بندوں پر جو کرم کیا کرتا تھا۔

مختار الصحاح:

صاحب مختار الصحاح نے بھی اس لفظ کے معنی جود و سخاوت کے بیان کئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ فعل باب فتح کے وزن پر آتا ہے اور اس کے معنی سخاوت کے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :

(س۔م۔ح) السماح والسماحۃ: الجود، سمح بہ یسمح بالفتح فیھما سماحا وسماحۃ ای جاد۔(١٠)

"سمح (ثلاثی مجرد) تین الفاظ (س۔م۔ح) کا مجموعہ ہے، (اور یہ لفظ) سماح اور سماحۃ (مصدر کے ساتھ آتا ہے) جس کا معنی ہے: جود و سخاوت اور سمح بہ یسمح (ماضی مضارع) دونوں میں (عین کلمة پر) زبر کے ساتھ کا معنی ہے: اس نے سخاوت کی۔"

مختلف عربی ،اردواور انگریزی لغات کی روشنی میں یہ اس بات کی وضاحت ہوتی کہ رواداری انسان کے ایسے رویے، عمل اور سوچ کانام ہے جس میں تحمل ،برداشت ،بردباری ،جودوکرم ،سخاوت اور دوسروں کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کرنے جیسے اوصاف حمیدہ پائے جاتے ہوں یہ رویہ ،سوچ اور عمل مذہبی تصورات کے حوالے سے بھی ہو سکتا ہے اور معاشرتی حوالے سے بھی، گویارواداری ایک ایسا جوہر ہے جس میں ایک شخص اپنے تصورات اور اعتقادات پر قائم رہتے ہوئے دوسرے شخص کے وجود، اس کے تصورات اور اعتقادات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

رواداری کا اصطلاحی معنی:

رواداری ایک ایسی اصطلاح ہے جو مختلف ادیان کے محققین اور علماء کے درمیان انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں رائج ہوئی،اور یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ رواداری مختلف ادیان کے مابین خوشگوار رویے کے اپنائے جانے کے ساتھ ہی ساتھ نیز جو تعصب،انفرادیت ،جبر،زبردستی،ہٹ دھرمی سے گریز کانام ہے۔ نیز دوسرے مذاہب کے افراد کے تصورات و نظریات کو تحمل سے عبارت ہے۔

اگرچہ رواداری (تسامح) کالفظ نص قرآنی میں وارد نہیں ہوا مگر اس کے مترادفات ضرور استعمال ہوئے ہیں ۔احادیث مبارکہ میں بھی یہ لفظ ،آسانی ،سہولت ،نرمی ،درگزر،معافی اور بردباری کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ذیل میں رواداری کے اصطلاحی معنی کی وضاحت کے لیے چند حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔

رواداری کے اصطلاحی معنی و مفہوم سے متعلق امام محمد طاہر بن عاشور لکھتے ہیں:

التسامح فی اللغة مصدر ،سامحه اذا ابدی له السماحة القویة. لان صیغة التفاعل هنا لیس فیها جانبان فتعین ان یکون المراد بها المبالغة فی الفعل مثل:عافاک الله ،التسامح وهو لفظ اصطلح علیه العلماء الباحثون عن الادیان من المتاخرین من اواخر القرن الماضی اخذمن الحدیث النبویة (بعثت بالحنفیه السمحة)وقد ،صار هذ ا اللفظ حقیقة عرفیه فی هذا المعنیٰ۔(۱۱)

تسامح(رواداری)لغوی اعتبار سے(باب تفاعل سے)مصدر ہے۔(سامحہ)کا معنی ہے جب کوئی کسی کے لیے بڑھ چڑھ کر جو د و سخا کا مظاہرہ کرے۔کیونکہ یہاں تفاعل کے صیغے میں طرفین (یعنی

دونوں اطراف)موجود نہیں (کیونکہ تفاعل کے خواص میں سے ایک خصوصیت مشارکہ ہے جو کہ یہاں موجود نہیں، یہاں باب تفاعل فعل ثلاثی مجرد کی موافقت میں آیا ہے)اس لیے یہاں اس بات کا تعین ہو گیا کہ یہاں بھی فعل جانبین کی مشارکت نہیں بلکہ مراد مبالغہ ہے۔"

لہذا رواداری ایک (ایسا)لفظ ہے جس کو متاخرین مذہبی محققین نے پچھلی صدی (عیسوی)کے اواخر میں بطور اصطلاح اختیار کیا۔ علماء نے اس اصطلاح کو حدیث نبوی سے اخذ کیا:

"بے شک میں دین حنیف (یعنی سچے اور اعتدال والے)دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں۔"

فن اصطلاحات کی جدید کتاب "المعجم الفلسفی "میں تسامح کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:

فان التسامح یاتی بمعنی ان تترک لکل انسان حریة التعبیر عن آراۂ وان کانت متضادۃ لارائک، وان یحترم لاراء غیرہ لاعتقاد انہا محاولة للتعبیر عن جانب من جوانب الحقیقة. والتسامح کما یقول کوبلو:

لایوجب علی المرء عن معتقداته او الامتناع عن اظهارہ او الدفاع عنها او التعصب لها بل یوجب علیه الامتناع عن نشر آراۂ بالقوۃ والقسر والقدح والخدأ۔(۱۲)

"رواداری سے مراد یہ ہے کہ آپ کسی بھی انسان کو آزادی رائے کا حق رکھتے ہوئے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی مکمل اجازت دیں اور وہ بھی دوسروں کی رائے کا اس لئے احترام کرے کہ وہ آراء بھی حقیقت کے کسی پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش ہیں۔ مشہور فلاسفر (Goblo) کہتا ہے:

رواداری کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے عقیدے سے ہٹ جائے یا اس کے دفاع سے رک جائے یا اس پر مضبوطی سے کاربند نہ ہو بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان طاقت، جبر، جھوٹ اور دھوکہ دہی سے اپنی بات دوسروں پر مسلط کرنے سے باز رہے۔"

عراقی محقق عامر عبد زید نے رواداری کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

هو موقف ایجابی متفهم من العقائد والافکار۔(۱۳)

"رواداری وہ مثبت رویہ ہے جو عقائد اور نظریات سے سمجھا جاتا ہے۔"

وکی انسائیکلو پیڈیا میں رواداری کو مذاہب کے ساتھ خاص کرتے ہوئے اس کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

يعتبر التسامح و التساهل الفكر ی من المصطلحات التی تستخدم فی السیاقات جتماعية و الشقافية و الدينية ،لوصف مواقف اتجاهات تتسم باالتسامح (اولا حترام)المتواضع او غير المبالغ فيه لممارسات و افعال او افراد نبذتهم الغالبیۃالعظمی من المجتمع۔(۱۴)

تسامح اور تساہل دو ایسی اصطلاحیں ہیں جو معاشروں کو چلانے اور دینی ثقافتوں کی ترویج کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ کیونکہ رواداری ایسا وصف ہے جو مختلف مراحل پر کار آمد ہوتا ہے۔رواداری کے بغیر معاشرے کی مختلف سرگرمیوں، افعال افراد اور اس کے عمدہ نتائج تک پہنچنا ممکن نہیں۔

اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسکو کے زیر اہتمام ہر سال ۱۶ نومبر کو رواداری کا عالمی دن (world Tolerance Day) منایا جاتا ہے۔اس نے رواداری کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

Tolerance is respect,acceptance and appreciation of the rich diversity of our world culture,our forms of expression and ways of being human.it also mean that once views are not to be imposed on others(۱۵)

"انسان ہونے کے اعتبار سے اظہار و تہذیب و ثقافت کے جو مختلف انداز و اطوار ہیں ان کا احترام اور قبولیت رواداری کہلاتا ہے۔اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کسی انسان کے نظریات دوسروں پر زبردستی مسلط نہ کئے جاہیں۔"

پس رواداری کے معنی یہ کہ جن لوگوں کے عقائد یا اعمال ہمارے نزدیک غلط ہیں ہم برداشت کریں، ان کے جذبات کا لحاظ کریں، ان پر ایسی نکتہ چینی نہ کریں جو ان کو رنج پہنچانے والی ہو اور انہیں ان کے اعتقاد سے پھیرنے یا ان کے عمل سے روکنے کے لیے زبردستی کوئی طریقہ اختیار نہ کریں۔اس قسم کا تحمل اور اس رویے سے لوگوں کو عقیدہ، رائے اور عمل کی آزادی دینا نہ صرف ایک مستحسن عمل ہے بلکہ علاقائی اور عالمی امن و سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

لفظ رواداری کے مترادفات:

عربی میں لفظ تسامح وسیع معنی کا حامل ہے۔ جس کے لیے عربی میں کئی دیگر مترادفات بھی استعمال کیے ہیں۔ جن میں سے رحمت، درگزر، صلح وغیرہ شامل ہیں۔

ان تمام کے قریب المعنی ہونے کی وجہ سے ذیل میں ان کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔

رواداری بمعنی رحمت:

عربی میں تسامح(رواداری) کے مترادفات میں سے ایک مترادف لفظ رحمت آتا ہے۔صاحب صحاح لکھتے ہیں:

(الرحمة من)ر۔ح۔م (ثلاثی مجرد)الرحمة :الرقة و التعطف و قد رحمه بالکسر و ترحم علیه وتراحم القوم رحمه بعضهم بعضاً۔(۱۶)

”لفظ رحمت ر۔ح۔م ثلاثی مجرد سے مصدر ہے۔رحمت کا معنی :نرمی،ہمدردی اور رحمہ (فعل متعدی)عین کلمہ پر کسرہ کے ساتھ کا معنی ہے(ترحم علیہ)اور(تراحم القوم)کا معنی ہے بعض نے بعض پر رحم کیا۔“

رواداری بمعنی مغفرت:

لفظ تسامح(رواداری)کے مترادفات میں سے مغفرت بھی ایک معنی ہے۔امام جوہری لکھتے ہیں:

والمغفرة من غفر،و اصله التغطیه ،ومنه یقال: اصبغ ثوبك فانه اغفر للوسخ۔(۱۷)

”مغفرت اصل میں غفر یغفر ،کا مصدر ہے اس کا معنی چھپانا ،ڈھانپ دینا جیسے کہ مقولہ ہے:تمہارے کپڑے کو دوکسی رنگ میں رنگ دو کیونکہ رنگدار کپڑا میل کو بہت چھپانے والا ہے۔“

رواداری بمعنی صلح:

تسامح (رواداری) کا لفظ صلح کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔شیخ حسن مصطفوی لکھتے ہیں:

صلح یصلح :اتی بالصلاح و هو الخیر و الثواب ،فی الامر مصلحة ای:خیر۔(۱۸)

”صلح یصلح (ثلاثی مجرد سے آتا ہے)اس کا معنی ہے کی اس نے بھلائی کی۔بھلائی سے مراد اچھائی اور درستگی ہے۔جیسے کہ کہا جاتا ہے:اس نے کام میں بھلائی کی:

رواداری کا قرآن میں حکم:

قرآن کریم میں لفظ رواداری کا مختلف کلمات کے ساتھ ذکر ہوا ہے قرآن کریم میں جہاں غیض و غضب،غصہ اور شدت کی مثالیں دی گئی ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی تذکرہ ہے جو اہل ایمان میں رواداری کو راسخ کرتا ہے،اہل ایمان میں نرمی،رحمت اور رواداری پیدا ہوتی ہے۔یہ نرمی اور آسانی کبھی دعوت و تبلیغ میں ہوتی ہے، کبھی معاملات میں اور کبھی کلام میں ہوتی ہے۔

کلام میں رواداری کی مثال:

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا :

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o(۱۹)

تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالاں کہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندگی بخشی، پھر تمہیں موت سے ہمکنار کرے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے o

امام فخر الدین رازی اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں :

ای سھلاً لیینا (۲۰) عنی اس سے مراد آسان بات ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے دربار میں جائیں اور اس کو حق کی دعوت دیں وہ سرکش ہو گیا ہے تو ارشاد فرمایا :

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ o(۲۱)

کیا تم دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالاں کہ تم (اللہ کی) کتاب (بھی) پڑھتے ہو، تو کیا تم نہیں سوچتے؟

معاملات میں آسانی اور نرمی کی مثالیں:

لوگوں کے ساتھ معاملات میں نرمی، رواداری، آسانی کی مثالیں ہمیں اس آیت مبارکہ سے ملتی ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی نرم خوئی بیان فرمائی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ م بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِلا اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ o(۲۲)

بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے (اپنی) کتاب میں واضح کر دیا ہے تو انہی لوگوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے (یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کرتا ہے) اور لعنت بھیجنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

رواداری کا تصور سیرت کی روشنی میں:

انسانیت کے لیے رہنمائی کا مثالی سرچشمہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے ہدایت کا آخری سرچشمہ بنا کر بھیجا۔ آپ کی ولادت اور بعثت

ایک نئے تہذیبی دور کا آغاز اور تاریخ کی نئی جہت کا تعین تھا۔یہی وجہ ہے کہ اگر ہم تاریخ میں آپ ﷺ سے پہلے اور بعد کے زمانوں کا تقابل کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ رحمت دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد انسانیت کلیتاً ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔ایک ایسا دور جس میں شعور، آگہی، تہذیب، کلچر اور اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ، قیام اور استحکام کے وہ نظارے ملتے ہیں جن کا نہ صرف آپ کی آمد سے قبل وجود تھا بلکہ ان کا تصور بھی مفقود تھا۔یہ سب حضور ﷺ کی نبوت کا وہ فیضان ہے جو آپ کی بعثت کے بعد آپ کی ذات مبارکہ کے ذریعے عالم انسانیت جاری و ساری ہوا۔اس لیے اللہ رب العزت نے اپنے پیارے پیغمبر کی سیرت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝(۲۳)

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو (بھی) جو تم سے پیشتر تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

آپ ﷺ کی گھریلو زندگی ہو یا سماجی زندگی، کلی زندگی ہو یا مدنی زندگی، عبادات ہوں، یا معاملات، سیاسیات ہوں یا اخلاقیات و مذہبیات آپ کی زندگی ہر شعبہ زندگی میں تمام انسانوں کے لیے قابل تقلید ہے، آپ نے قرآن مجید میں بیان کردہ تمام اصول و ضوابط کو اپنی حیات طیبہ میں عملی صورت میں لاگو کیا اور صحابہ کرام کی زندگیوں کا حصہ بنا دیا۔قرآن مجید نے اس حکم کی تاکید فرمائی ہے کہ:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ط وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۝(۲۴)

جو (اَموالِ فَے) اللہ نے (قُرَیظه، نَضِیر، فِدَك، خَیبر، عُرَینه سمیت دیگر بغیر جنگ کے مفتوحہ) بستیوں والوں سے (نکال کر) اپنے رسول پر لوٹائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں اور (رسول کے) قرابت داروں (یعنی بنو ہاشم اور بنو عبد المطّلب) کے لیے اور (معاشرے کے عام) یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے ہیں (یہ نظامِ تقسیم اس لیے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے) اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو، اور اللہ سے

ڈرتے رہو (یعنی رسول کی تقسیم و عطا پر کبھی زبانِ طعن نہ کھولو)، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے o

یعنی آپ جس چیز کا حکم دیں اس کی پابندی واجب ہے اور جس چیز سے روکیں اس کا کرنا حرام ہے، انسان کی نجات کا سارا دارومدار ہی اس بات پر ہے کہ وہ خدا کو ماننے اور خدا کی کتاب کے قانون پر عمل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پیش کردہ نمونے کو اختیار کرے چنانچہ آپ ﷺ نے رواداری کے وصف کو نہ صرف خود اختیار کیا بلکہ مسلمانوں کو رواداری اختیار کرنے کا حکم بھی دیا۔ آپ کے رواداری پر مبنی رویے کی وضاحت قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جس میں اللہ رب العزت ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْم بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِلا اُولٰٓـئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَo(۲۵)

بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے (اپنی) کتاب میں واضح کردیا ہے تو انہی لوگوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے (یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کرتا ہے) اور لعنت بھیجنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَاج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُo(۲۶)

اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنے حکم کے سامنے جھکنے والا بنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک امت کو خاص اپنا تابع فرمان بنا اور ہمیں ہماری عبادت (اور حج) کے قواعد بتا دے اور ہم پر (رحمت و مغفرت کی) نظر فرما، بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے o

اقوال رسول ﷺ کی روشنی میں رواداری کا تصور:

رسول کریم ﷺ کی آفاقیت اس امر سے بیان ہے کہ آپ کی تعلیمات (خواہ وہ اقوال کی صورت میں ہو، یا آپ کے عمل مبارک کی صورت میں) تمام انسانوں، مکانوں اور تمام زمانوں کے لیے ہیں۔ جس طرح یہ تعلیمات اور آپ کا اسوہ مبارک اپنوں کے لیے مفید اور قابل عمل ہے اسی طرح یہ تعلیمات بیگانوں کے لیے بھی مفید اور قابل عمل ہیں۔ کیونکہ آپ پوری انسانیت کے پیغمبر اور تمام

جہانوں کے لیے سراپا رحمت، راحت اور مہربان ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی تعلیمات انسانی عظمت و کرامت اور عالمی علم و حکمت کا منبع اور سرچشمہ ہیں۔ ان تعلیمات کا تعلق اخلاقی قدروں سے ہو یا معاشی اصولوں سے، سیاسی ضابطے سے ہو یا معاشرتی عوامل سے، وہ سب انسانوں کے لیے یکساں سودمند قابل تقلید اور انسانی فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہیں۔ آپ علیہ السلام کی تعلیمات نہ صرف انسانی رویوں کا رخ متعین کرتی ہیں بلکہ انہیں حقیقی جلد بھی بخشتی ہیں۔ آپ ﷺ کے اقوال وحی کی حیثیت رکھتے ہیں آپ کو اللہ رب العزت نے آپ کو تشریعی حاکمیت کا امتیاز بھی عطا کیا ذیل میں آپ کے اقوال کی روشنی میں رواداری کے تصور کی وضاحت کی جاتی ہے۔

مخلوق خدا کا کنبہ ہے:

رحمت دو عالم ﷺ نے اللہ رب العزت کی ساری مخلوق کو نفع پہچانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : الخلق عیال اللہ فاحب خلقه الیه انفعهم لعیاله۔(۲۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے، خدا کے نزدیک سب سے پسندیدہ وہ ہے جو اس کے کنبے کے لیے نفع کا باعث ہو۔“

رواداری اور سہولت کا حکم:

احادیث کی کتب میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ زندگی کے تمام امور میں رواداری اور سہولت کا حکم فرماتے تھے۔ اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اس بات کا عملی ثبوت بھی ہے۔

عن عباس رضی اللہ عنہ: انہ قال، قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسمح یسمح لك۔(۲۸)

حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رواداری (عفو و درگزر) کر و تمہارے ساتھ بھی عفو و درگزر والا معاملہ کیا جائے گا۔

امام ابو منصور الازہری نے اس حدیث کے ذیل میں امام اصمعی کا قول نقل کیا ہے:

معناہ سهل یسهل لک و علیک۔(۲۹)

آسانی پیدا کرو تمہارے لیے آسانی پیدا کی جائے گی۔

پس آقا ﷺ نے اپنے تمام امور میں رواداری اور سہولت کا درس دیا اور جب کوئی شخص اس صفت کا پیکر بن جاتا تو اللہ تعالی دنیا و آخرت میں اس کو آسانیوں کی خیرات عطا فرماتا ہے۔ اگر دیکھا

جائے تو یہ کام کس قدر عظیم ہے کہ ایک انسان اپنے دوسرے بھائی کے غم غلط کرے اور اس کی دشواریوں کو آسانیوں میں ڈھالنے میں اس کا دست و بازو بنے اور یہی چیز دنیا میں اس کے مکافاۃ عمل اور آخرت میں جزائے خیر کی ضامن ہے اور یہی اسلام کا تصور رواداری ہے۔

اسی طرح مسند احمد بن حنبل کی ایک اور حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے رواداری کا درس دیا:

عن ابی امامة الباهلی قال: قال النبی ﷺ: انی لم ابعث بالیهود ولا بالنصرانیة ولکنی بعثت بالحنفیة السماحة۔ (۳۰)

حضرت ابو امامہ الباحلی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ مبعوث نہیں ہوا لیکن میں دین حنیف (سچے) اور رواداری کے پیکر دین کے ساتھ مبعوث ہوا۔

اللہ رب العزت کے ہاں پسندیدہ دین:

رواداری، سہولت، آسانی کو دین اسلام کا امتیاز قرار دیتے ہوئے رسول ﷺ نے اس کو پسندیدہ دین قرار دیا۔

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال: قیل لرسول اللہ ای الادیان احب الی اللہ قال: الحنفیة السمحة۔ (۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالی کے نزدیک محبوب ترین دین کون سا ہے تو آپ نے فرمایا: بردباری پر مشتمل دین حنیف جو کہ رواداری و بردباری والا دین ہے۔

امام مناوی، فیض القدیر میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

واستنبط الشافعی من الحدیث قاعدة ان المشقة تجلب التیسیر واذا ضاق الامر اتسع۔ (۳۲)

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے اصول فقہ کا یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ تنگی آسانی کو لاتی ہے۔ جب کوئی امر تنگ ہو تو اُس میں وسعت آجاتی ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں بھی نبی کریم ﷺ نے وسعت، کشادگی، رواداری اور بردباری کا ذکر کیا۔

عن عائشة قالت: قال رسول اللہ ﷺ لتعلم یهود ان فی دیننا فسحة، انی ارسلت

بحنیفیۃ سمحۃ۔(۳۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا : " یہودی جان لیں کہ ہمارے دین اسلام میں کشادگی ہے اور وسعت ہے بے شک میں حنفیت (سچے دین) اور رواداری کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔"

اس حدیث کی مناسبت کچھ یوں ہے کہ عید کے دن رسول اللہ ﷺ کے کاشانۂ مبارک میں کچھ بچیاں کھیل رہی تھیں اور دف بجابجا کر گارہی تھیں۔ اس دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور آقا ﷺ چادر اوڑھ کر بستر مبارک پر لیٹے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے حیرت اور غضب کی ملی جلی کیفیت میں پوچھا: "رسول اللہ ﷺ کے گھر میں شیطانی مزامیر یعنی باجے؟ اور اس بات کو تین مرتبہ دہرایا، یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر!

"ہر قوم کے لیے عید کا دن ہوتا ہے اور یہ ہماری عید ہے پھر فرمایا : " یہودی جان لیں کہ ہمارے دین میں کشادگی ہے۔"

روادار اللہ تعالی کی رحمت و بخشش کا حقدار:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے، اس کو حدیث شفاعت بھی کہا جاتا ہے، یہاں اس کا وہ حصہ بیان کیا جائے گا جو رواداری پر دلالت کرتا ہے۔

عن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان رسول ﷺ قال:ثم یقول اللہ عزوجل، انظروا فی النار ھل تلقون من احد عمل خیر اقط ،قال فیجدون فی النار وجدا فیقول لہ ھل عملت خیر اقط ،فیقول لاغیر انی کنت اسامح الناس فی البیع والشعراء فیقول اللہ عزوجل : ''اسمحوا لعبدی کاسماحہ الی عبیدی "(۳۴)

اہل قیراط سے رواداری کی نصیحت:

اسی طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث روایت کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے امت کو رحمت، اوررواداری کی نصیحت فرمائی ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن شماسہ بن المہدی سے مروی میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : عنقریب تم ایسی زمین فتح کروگے جو قیراط کہلاتی ہے۔ تو تمہیں اس کے باشندوں سے حسن سلوک اور خیر کی نصیحت کی جاتی ہے۔ پس بے شک ان کی تم پر ذمہ داری

ہے کہ وہ رحم کے حقدار ہیں۔(۳۵)

حضور علیہ السلام نے اہل قیراط کے ساتھ رحم اور خیر ،رواداری کے سلوک کی نصیحت فرمائی،اور قیراط نامی علاقہ اس وقت اسلامی ریاست میں شامل نہ تھا۔وہاں کے حکمران اور رعایا مسلمان نہ تھے ،چنانچہ حضور ﷺ نے اس کی فتح کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ اہل قیراط کے ساتھ بھلائی اور خیر کا سلوک کرنا۔

رواداری سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں:

دین اسلام سراسر باطل سے اعراض کرنے والا ،رواداری ، آسانی ،اعلیٰ اخلاق ،اعتدال ، وکشادہ دلی اور وسعت ذہنی پر مبنی دین ہے۔اور یہ طرزہ امتیاز دین اسلام کے سوا کسی اور دین کو حاصل نہیں ۔نبی کریم ﷺ نے دین کا خلاصہ رواداری کو قرار دیا۔بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ دین کی عمارت اسی اساس پر قائم ہے۔گویا نبی کریم ﷺ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اس دین کی قوت رواداری ہے یا یہ کہ دین کے تمام امور کا پودا رواداری کے پانی سے سیراب ہوتا ہے۔

سیرت طیبہ سے رواداری کی چند مثالیں:

نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے تحمل ،برداشت اور رواداری کا درس دیا جو رہتی دنیا کے لئے روشنی کا ایک مینار بنا رہے گا اور باشعور لوگ رحمت دوعالم ﷺ کی ان عملی تعلیمات سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

عیسائی وفد کو مسجد میں عبادت کی اجازت:

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ میں رواداری کی مثال اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں ان کے اپنے مذہب اور طریقہ کے مطابق عبادت کی اجازت دی۔

قال ابن اسحاق و حدثنی محمد بن جعفر بن الزبیر قال: لما قدموا علی رسول اللہﷺ المدینة،فدخلوا علیه مسجد ہ حین صلی العصر ،علیھم ثیاب الحبرات جبب واردیة ،یقول بعض من راہم من اصحاب النبیﷺ یومئذما رأینا بعدھم وفدا مثلھم وقد حانت صلاتھم ،فقاموا فی مسجد رسول اللہﷺ یصلون:فقال رسول ﷺ دعوھم ،فصلوا الی المشرق۔(۳۶)

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ منورہ آیا،وفد میں ساٹھ افراد تھے۔جب وہ یمنی کپڑوں میں ملبوس ،قبائیں اور چادریں لپیٹے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اس وقت حضور ﷺ عصر کی نماز ادا کر چکے تھے۔، کچھ صحابہ کرام نے انہیں دیکھ کر کہا: ہم نے ان جیسا وفد نہیں دیکھا اس دوران ان کی نماز کا وقت ہو گیا۔ وہ اٹھے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: انہیں اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھنے دو۔ انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔

سیرت طیبہ میں مذہبی اور دینی رواداری کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ عیسائیوں کے وفد نے مسجد نبوی میں اپنے مذہب اور طریقے کے مطابق عبادت کی مگر اور حضور ﷺ نے اُنہیں اُن کی عبادت سے نہیں روکا بلکہ ان کو اجازت مرحمت فرمائی۔

غیر مسلم کا تحفہ قبول کرنا:

حضور ﷺ کی خدمت میں اگر کوئی غیر مسلم تحفہ پیش کرتا تو آپ اس کو قبول فرماتے۔ جیسے کہ آپ نے مقوقس کا تحفہ قبول فرمایا تھا۔ اس طرح ایک شامی راہب نے بھی آپ کو تحفہ بھیجا تو آپ نے اُس کی تالیف قلب کے لئے اس کا تحفہ قبول فرمایا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھدی الیہ راھب من الشام جبۃ من سندس، فلبسھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔(۳۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک راہب نے نبی کریم ﷺ کو ایک جبہ پیش کیا تو آپ نے قبول فرمایا اور پہنا۔

اسی طرح رواداری کا اعلیٰ مظاہرہ ہمیں اس وقت بھی نظر آتا ہے کہ جب ایک اعرابی (دیہاتی) نے مسجد نبوی میں قضائے حاجت کر دی اور صحابہ کرام اس پر غصے کا اظہار کرنے لگے اور نبی کریم ﷺ نے ان کو منع فرمایا: امام بخاری اس حدیث کو بیان کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ اخبرہ ان اعرابیا بال فی المسجد ،فثار الیہ الناس لیقعوا بہ، فقال لھم رسول اللہ ﷺ دعوہ ،واھریقوا علی بولہ ذنوبا من ماء او مسجدا من ماء۔فانما بعثتم میسرین ،ولم تبعثوا معسرین۔(۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر ایک دیہاتی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا، لوگ اس پر پل پڑنے کے لیے دوڑے تو آقا کریم ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی

بہادو۔ پس بے شک تم آسانیاں پیدا کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہو نہ کہ تنگی کا باعث بننے کے لیے آئے ہو۔

بعض روایات میں لفظ ''لا تزرموہ'' مذکور ہے کہ آقا نے فرمایا کہ اسے پیشاب سے نہ روکو نبی کریم ﷺ نے اس اعرابی سے رواداری اور عفو و درگزر کا معاملہ فرمایا باوجودیکہ اس اعرابی نے جائے عبادت کو نجس کر دیا تھا۔ آقا ﷺ نے صحابہ کو اعرابی پر سختی سے منع فرما دیا اور اس کو ضرر پہنچانے سے روک دیا پھر اس جگہ کو دھو کر پاک و صاف کر دیا اور فرمایا تم آسانیوں کے لیے ہو تنگیوں کے لیے نہیں۔

یہودی مریض کی عیادت:

نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کا ایک حسین پہلو یہ بھی ہے کہ اس معاشرے میں رہنے والے یہودی اگر بیمار ہو جائے تو حضور ﷺ نے ان کی عیادت فرمائی۔ کائنات میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی دوسرا، لوگوں کے دین کے بارے میں اتنا حریص نہیں جتنا حضور ﷺ کی خواہش تھی کہ سب لوگ دین اسلام کی پیروی کریں اور اس دین سے اختلاف کرنے والا اگر کوئی یہودی لڑکا تھا اور وہ بیمار ہو گیا تو حضور ﷺ نے دنیا کو رواداری کا وہ نمونہ عطا فرمایا جس کی مثال قیامت تک نہیں ملے گی ۔ دینی اختلاف کے باوجود آپ بیماروں کی عیادت کرتے۔ ان کے دکھ درد کو تقسیم کرتے اور ان کی مجلسوں میں شریک ہوتے۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کیا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا آقا ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس کے سرہانے جلوہ افروز ہوئے اور اسے اسلام لانے کا حکم فرمایا۔ تو اس لڑکے نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا جیسا ابو القاسم ﷺ کہتے ہیں ویسا ہی کرو۔ تو وہ لڑکا حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ آپ مسرت اور خوشی سے یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اس کو آگ سے بچا لیا۔'' (۳۹)

یہودی عورت کا زہر آلود کھانا دینا:

نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ایک مرتبہ ایک یہودی عورت بکری کا زہر آلود گوشت لے کر

آئی۔ آپ نے اس کی دلجوئی کی خاطر اس کے کھانے سے انکار نہیں کیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔

عن انس ان امرأة یهودیة أتت رسول الله صلی الله علیه وسلم بشاة مسمومة فأکل منها۔(۴۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی عورت زہر آلود بکری (کا گوشت) لے کر آئی پس آپ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا۔

بعض دیگر روایات میں درج ہے کہ آپ ساتھ آپ کے ایک صحابی نے بھی اس کو تناول کیا چنانچہ یہ گوشت کھانے کے فوراً بعد ان صحابی کا وصال ہو گیا۔ صحابہ کرام نے اس عورت کے قتل کی اجازت مانگی مگر آپ ﷺ نے شفقت اور عفو در گزر کرتے ہوئے اسے قتل کرنے سے منع فرمادیا۔

فتح مکہ اور مشرکین سے حسن سلوک:

اسلام کے ابتدائی دور میں اور بعد از ہجرت مشرکین مکہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ہر جگہ ہر موقع مخالفت کا وطیرہ اپنائے رکھا یہ وہ لوگ تھے جن کے ظلم و ستم نے آپ ﷺ کو مدینہ ہجرت پر مجبور کیا۔ مگر ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سب کو معاف کر دیا۔ اگرچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعون اس موقع پر ان سے بدلہ لینے کی توقع رکھتے تھے۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان سے کہا کہ آج (فتح مکہ کا دن) قتل عام کا دن ہے آج کعبہ کی حرمت بھی حلال ہو جائے گی۔ ابو سفیان نے اس بات کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی آپ نے فرمایا: سعد نے جھوٹ بولا بلکہ آج اللہ تعالی کعبہ کو عظمت عطا فرمائے گا اور آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔

صحابہ کرام نے بدلے کی توقع رکھتے ہوئے کہا کہ کعبہ کی حرمت آج حلت میں بدل جائے گی۔ مگر پیغمبر امن رواداری نے نہ صرف اس عمل سے روکا بلکہ اس کی مذمت بھی یہاں فرمائی۔

مشرکین کے لیے دعائے ہلاکت سے انکار:

حضور نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ میں نرمی، لطف، کرم، مہربانی، جود و سخا اور دیگر فضائل واخلاق منتہائے کمال پر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین و منافقین اور اعداء اسلام نے ہر موقع پر آپ کی مخالفت کی آپ کو ایذا دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ بے شمار اذیتیں اور تکلیفیں آپ ﷺ

نے سہیں مگر ہمیشہ صبر کیا اور دوسروں کے لیے سراپا رحمت رہے۔روحانی تکلیف سے لے کر جسمانی تکلیف تک آپ نے برداشت کیں مگر جب بھی آپ سے ان کے حق میں دعائے ھلاکت کے لیے عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے انکار فرمادیا۔

عن ابی ھریرۃ قال: قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادع علی المشرکین قال: انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمۃ۔(۴۱)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے کہا گیا کہ مشرکین کے لیے دعائے ھلاکت کریں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک، مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بلکہ رحمت کا پیکر بنا کر بھیجا گیا ہے۔

غیر مسلموں کے مال ومتاع کی حفاظت:

حضور ﷺ کے زمانے میں جب اسلام پھیلنا شروع ہوا تو اردگرد کے بہت سے علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔ان علاقوں میں سے ایک نجران کا علاقہ تھا۔حضور ﷺ نے اہل نجران کے ساتھ مختلف معاہدات کیے۔ان معاہدوں میں سے ایک معاہدہ ایسا بھی تھا جس کی رو سے اہل نجران کو مذہبی، معاشی اور معاشرتی حفاظت دی گئی۔ان کی تمام عبادت گاہیں محفوظ قرار دی گئیں۔کسی بھی کو اس کے کسی مذہبی یا سماجی عہدے سے معزول نہیں کیا جائے گا۔

امام ابو یوسف اور امام ابن سعد نے اس معاہدے کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

نجران اور اس کے مضافاتی علاقے اللہ کے لیے ہمارے پڑوسی ہیں اور محمد نبی رسول ﷺ ان کی جان، ملت (دین)، زمین، اموال ان کے حاضر اور غائب، ان کے مقامات، عبادت کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں اور (ضمانت دیتا ہوں کہ) کسی پادری، کسی راہب کو اس کے منصب سے اور کلیسا کے کسی منتظم کو اس کے عہدے سے ہٹایا نہیں جائیگا۔

یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اس معاہدے کی رو سے (یہ سب) اللہ کی حفاظت اور محمد ﷺ کے ذمہ ہیں ہمیشہ کے لیے جب تک اللہ ان کی نصیحت کو قبول کرنے اور اصلاح کرنے کی صورت میں کوئی (دوسرا) فیصلہ نہ فرمادے۔

فخر انسانیت حضور ﷺ کے اس معاہدے کی دفعات تمام انسانی زندگی کے شعبوں میں رواداری

کا پیغام دیتی ہیں۔اس کی مثال قیامت تک کسی دوسرے مذہب میں نہیں دی جا سکے گی۔

غیر مسلموں کا آپ ﷺ کی رواداری کا اعتراف:

حضور ﷺ کی رواداری، تحمل، برداشت، بردباری، حلم، نرمی اور خوش طبعی کی یہ وہ اعلیٰ صفات ہیں جن کی بدولت دین اسلام بہت کم عرصے میں دیکھتے دیکھتے پوری دنیا میں پھیل گیا۔آپ کی اعلیٰ تعلیمات کا اعتراف اپنے تو کیا غیر بھی کرنے پر مجبور ہو گئے۔

David Samuel Margoliouth

ڈی۔ایس۔مار گولیتھ رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے بہت منفی سوچ کا حامل سوانح نگار ہے۔لیکن آپ کی تعلیمات کی بدولت اسلام کی کامیابی کو وہ بھی سراہے بغیر نہ رہ سکا۔وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

His Political work was not left half finished at his death he had founded an empire with a religious and a Capital.He had made a nation of a loose agglomeration of tribes.(۴۲)

”محمد ﷺ کا سیاسی کام آپ کی وفات کے وقت ادھورا نہیں تھا۔آپ ﷺ نے ایک سلطنت قائم کر دی تھی۔جس کے مذہبی اور سیاسی دونوں دارالسلطنت تھے۔آپ نے بکھرے ہوئے قبیلوں کو ایک قوم بنا دیا۔“

Hebert George Wells

There can be no denying that islam possesses many fine and noble attributes.It is the folly of the simple disciple which demands miraculous frippery on the majesty of truth and immaculate conception for righteousness. (۴۳)

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے دیکھا کہ غیر مسلم سکالرز نے بھی حضور علیہ السلام کی رواداری اور باہمی ہم آہنگی کو بیان کر کے حضور علیہ السلام کی سیرت کے اس پہلو کا کشادہ دلی سے اعتراف کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی سیرت کو تمام انسانوں کے لیے نمونہ عمل بنایا ہے۔لہذا اس کو وہ جامعیت عطا فرمائی ہے کہ انسانی زندگی کے تمام گوشے اس مبارک سیرت میں سمٹ کر اکھٹے ہو گئے ہیں۔دنیا کے کسی بھی انسان کی سیرت اتنی جامع اور مکمل نہیں ہے، جتنی رسول کریم ﷺ کی سیرت ہے۔کرہ ارض کا ہر فرد آپ کی سیرت سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔آپ کے شب و روز کی ایک ایک ساعت کی تفصیل ہمارے سامنے بالکل

روشن اور واضح ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نقوی، ڈاکٹر سید با حیدر شہریار، فرہنگ اردو۔فارسی، بک سٹال، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص:۳۲۳۔

۲۔ دہلوی، مولوی سید احمد (م ۱۹۱۸ء) فرہنگ آصفیہ، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۶ء، ج:۲ ص:۲۷۷۔

۳۔ مولوی، الحاج فیروز الدین، فیروز اللغات اردو، فیروز سنز، اردو بازار لاہور، س۔ن، ص:۳۳۷۔

۴۔ ازہری، ابو منصور محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۲۰۰۱ء، ج:۴، ص:۲۰۰۔

۵۔ فیروز آبادی، محمد، بن یعقوب، القاموس المحیط، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، س۔ن، ج:۱، ص:۲۸۷۔

۶۔ فراہیدی، خلیل بن احمد، العین، دارو مکتبۃ الھلال، بیروت، س ن، ج:۳، ص:۱۵۵۔

۷۔ جوہری، ابو نصر اسماعیل بن حماد، الصحاح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۱۹ھ، ج:۱، ص:۳۳۱۔

۸۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور الافریقی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، لبنان، ۲۰۰۳ء، ج:۲، ص:۴۴۹۔

۹۔ احمد بن حنبل الشیبانی، امام، مسند، مؤسسہ قرطبہ، مصر، س، ن، رقم الحدیث: ۱۵، ج:۱، ص:۴۔

۱۰۔ رازی، محمد بن ابی بکر بن عبد القادر، مختار الصحاح، مکتبہ البنان ناشرون، بیروت، ۱۹۹۵ء، ج:۱، ص:۱۳۱۔

۱۱۔ ابن عاشور، الامام محمد الطاہر، اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام، الموسسہ الوطنیۃ الکتاب الجزائر، س۔ن، ص:۲۲۶۔

۱۲۔ جمیل صلیبا، الدکتور، المعجم الفلسفی، بالفاظ العربیہ و الفرنسیۃ والانکلیزیۃ والاتینیۃ، دار الکتاب اللبنانی، بیروت لبنان، سن ندارد، ج:۱، ص:۲۷۲۔

۱۳۔ عبد زید، عامر، من اجل اخلاقیات التسامح فی ظل ثقافۃ اللاعنف، بیت الحکمۃ بغداد، ۲۰۰۱ء، ص:۵۸۔

۱۴۔ تسامح www.wikipedia.org/

۱۵۔ www.un/documents/net/dpt/htm

۱۶۔ رازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، ج:۱، ص:۱۰۰۔

۱۷۔ جوہری، ابو انصر اسماعیل بن حماد، الصحاح، ج:۱، ۶۶۱، ۲ بیروت لبنان ۱۴۹۱ھ۔

۱۸۔ مصطفوی حسن المصطفوی، الحقیق فی کلمات القرآن الکریم، معارف اسلامی تہران، ۱۳۶۰ھ، ج:۶، ص:۳۰۷۔

۱۹۔ اسرا، ۲۸:۱۷۔

۲۰۔ رازی فخر الدین محمد بن عرم الرازی الشافعی، تفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، ج:۲، ص:۱۵۵۔

۲۱۔ طہ ۴۴:۲۰۔

۲۲۔ آل عمرآن، ۱۵۹:۳۔

۲۳۔ الاحزاب، ۲۱:۳۳۔

۲۴۔ الحشر، ۷:۵۹۔

۲۵۔ آل عمرآن، ۱۵۹:۳۔

۲۶۔ توبہ، ۱۲۸:۹۔

۲۷۔ ابویعلیٰ، احمد بن علی بن المثنی الموصلی، مسند دار المامون للتراث، دمشق، ۱۹۸۴ء، رقم الحدیث:۲۴۷۸۔

۲۸۔ احمد بن حنبل شیبانی، امام، مؤسسہ قرطبہ، مصر، س۔ن، رقم:۲۲۳۳، ج:۱، ص:۲۴۸۔

۲۹۔ زہری امام منصور، محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۱ء، ج:۴، ص:۲۰۱۔

۳۰۔ احمد بن حنبل، مسند، رقم:۲۲۳۵، ج:۵، ص:۲۶۶۔

۳۱۔ احمد بن حنبل، المسند، رقم:۲۱۰۸۔

۳۲۔ مناوی ، محمد عبد الرؤف بن تاج العارفین علی، فیض القدیر، شرح الجامع الصغیر ، دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، ۱۴۱۵ھ، ج:۱، ص:۵۱۲۔

۳۳۔ احمد بن حنبل، ج:۶، ص:۲۳۳، رقم:۲۶۰۰۴۔

۳۴۔ احمد بن حنبل، مسند، ج:۱، ص:۴، رقم:۱۵۔

۳۵۔ سنن الکبری، کتاب الجزیۃ، باب الوصاۃ باہل ذمہ، رقم:۱۸۵۱۹۔

۳۶۔ ابن سعد، محمد بن سعد، طبقات الکبری، دار صادر بیروت لبنان، ج:۱، ص:۳۵۷۔

۳۷۔ احمد بن حنبل، امام، المسند، رقم:۱۴۷۸۰۔

۳۸۔ بخاری، الصحیح، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ یسروولا تعسروو کان یحب التخفیف، رقم:۵۷۷۷۔

۳۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی، ج:۱، ص:۴۵۵، رقم:۱۲۹۔

۴۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب من علق سفیہ بالشعر عنہ القائدہ ج:۳، ص:۶۵، رقم:۲۷۵۳۔

۴۱۔ مسلم، صحیح، کتاب البر والصلہ والاداب، باب النھی عن لعن انددواب وغیرھا، ج:۴، ص:۲۰۰۶، رقم:۲۵۹۹۔

(۴۲)۔ Margoliouth,David Samuel Margoliouth,Muhammad and rise of islam,Third Edition,The Knickerbocker Press,New York 2003,Pg:471-72.

(۴۳)۔ H.G.wells,the out line of History,Garden City Publishing co.Gargen City,New York.1920,Pg:355.

عصرِ حاضر کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر غلام عباس قادری

نحمدہ و صلیٰ علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

تیزی کے ساتھ گزرتے ہوئے وقت نے عصر حاضر کو اکیسویں صدی کی دہلیز پر لا کھڑا کیا ہے ترقی و تعمیر کے اعتبار سے سو سال ایک بڑا طویل عرصہ ہے۔ اگر ہم ماضی میں جھانک کر دیکھیں تو اس عرصہ میں دنیا میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ کئی ملکوں کے جغرافیئے تبدیل ہو گئے دنیا کے نقشے میں بہت سے نئے نئے ملکوں کا اضافہ ہو گیا ہے محکوم اقوام کو آزدای نصیب ہوئی ہے برلن کی جس دیوار نے ایک ہی قوم کو دو جدا متواتی گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا ہے دنیا میں سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے حاکم و محکوم کا نظریہ کھوکھلا ہو گیا ہے۔ جبر و استبداد کی جگہ آزادی فکر اور جمہوریت نے لے لی، صدیوں سے فکر انسانی پر پڑے ہوئے جبر کے تالے ٹوٹ گئے اور وہ اپنی بقا و سلامتی کے لئے خود سوچنے اور فیصلے کرنے لگے انسانی وسائل پر قابض چند افراد کا قبضہ ختم ہونے لگا۔ اور آزاد معیشت کی سوچ دنیا میں ابھر کر سامنے آ گئی۔ انسانی ذہن نے سائنسی ترقی میں بڑی کامیابی حاصل کی اور اس سمت اس کا سفر ہوز جاری و ساری ہے بڑے بڑے انکشافات ہوئے۔ مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے سکڑ گئے۔ جدید پریس اور الیکٹرونک میڈیا نے مختلف انسانی معاشروں کی تہذیب کو سمجھنے میں قابلِ قدر کارنامہ سرانجام دیا۔ ہم دیکھتے ہیں دنیا نے اس عرصہ میں ایک کروٹ لی اور ایک خاموش فطری انقلاب نے دنیا کی ہر چیز پر اپنے گہرے اثرات مرتب کئے۔

متذکرہ بالا تمام ترخوبیوں کے باوجود انسانی معاشرہ کی خوشحالی اور فکری آزادی کسی ضابطہ کے بغیر آگے بڑھتی رہیں اور معاشرہ کسی اخلاقی نظم و ضبط کے بغیر اپنی مادی خوشحالی میں اضافہ کے لئے سرگرداں اور کوشاں ہو گیا۔ بظاہر ڈر اور خوف کی وجہ اپنے طور پر کچھ قوانین بنا کر اس کی پابندی بھی کی لیکن یہ پابندی صرف اور صرف اپنے مفادات کے حصول کی حد تک رہی۔ اور جہاں اس کا مفاد نہیں تھا

وہاں تمام قاعدے ضابطے اور اخلاقی حدود کو پائمال کرتا اس نے اپنا حق سمجھا اس کو لائق توجہ نہیں گردانا خواہ اس کا تعلق بقائے نسل انسانی سے کیوں نہ ہو۔

مال و دولت کی فراوانی کے باوجود ہوسِ زر پرستی میں اضافہ ہوتا چلا گیا، جس کے نتیجے میں حلال و حرام، جائز اور حق و انصاف کی تمیز اٹھ گئی۔ انسان صرف مال جمع کرنے میں مصروف ہو گیا اور زندگی کے دیگر وظائف کی کوتاہی کی وجہ سے مالی، مادی حقوق کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور دور حاضر میں ایک فساد برپا ہو گیا۔

انسان نے وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (۱) تو خوب مظاہرہ کیا اور مال کی محبت میں ہمیشہ آگئے آگئے نظر آیا مگر فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (۲) سے صرفِ نظر کر گیا۔ وہ خدمتِ خلق اور حقوقِ انسانی کی دشوار وادی فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ . يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (۳) میں قدم رکھنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

انسان مال و دولت کو چاہتے ہوئے اس میں شدت وزیادت کے لئے تو کوشش کرتا ہے وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ لیکن وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ (۴) یعنی عزیز و اقارب یتیموں اور مساکین کو بھول جاتا ہے۔ اس کے اس رویہ نے انسانوں میں احساس محرومی پیدا کر دیا۔ اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے نفرت و عداوت پیدا ہو گئی۔ اسی فرقِ معیشت نے معاشرہ میں انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا۔ ایک طبقہ نے حکومت اور دولت کو اپنا موروثی حق سمجھ لیا اور مختلف طریقوں سے ان دونوں چیزوں کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کے لیئے ظلم و زیادتی کے راستے اختیار کئے۔ اور دوسرے طبقہ نے احساس محرومی کو بنیاد بنا کر اپنی جدوجہد کو غلط سمت میں موڑ دیا۔ اور اس محروم طبقہ کو طالع آزما لوگوں نے انسانی معاشرہ میں فتنہ انگیزی کے لئے استعمال کیا۔

طبقاتی کشمکش:

طبقاتی کشمکش نے انسانی اعتماد کو پارہ پارہ کر دیا فعلِ انسانی کا ارتقا باہمی میل جول اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت و تعاون سے ہی ہو سکتا ہے لیکن طبقاتی کشمکش نے حاکم و محکوم اقاد غلام کی فرضی اصطلاحات کو بنیاد بنا کر انسانیت کو آپس میں تقسیم کر دیا۔ اور موجودہ دور فتنہ و فساد کی لپیٹ میں آ گیا۔

اخلاقی انحطاط:

جب معاشرہ کے افراد کا مقصد صرف حصولِ دولت اور تن پروری ہو جائے تو ایسے معاشرہ میں اخلاقی اقدار کمزور اور پائمال ہو جاتے ہیں دھوکہ دہی، مکرو فریب، جھوٹ اور خیانیت عام ہو جاتے ہیں۔ احترام آدمیت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے احساس ذمہ داری کمزور پڑ جاتا ہے۔ حق وصداقت کو خیر باد کہہ دیا جاتا ہے اپنی ذاتی منفعت کے لئے اجتماعی مفادات کو ذبح کر دیا جاتا ہے چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور رشوت عام ہو جاتی ہیں۔

منافع خوری:

ناجائز منافع خور اپنے فائدے کے لئے تمام اخلاقی حدود کو پھلانگ کر خلقِ خدا کو نقصان پہنچانے کے درپئے ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ انسانی حیات کی بقا کی چیزوں میں ملاوٹ کے ذریعہ انسانی ذات کو نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرتے۔ اسی طرح رشوت خور وغیرہ اخلاقی حدود کو پائمال کرتے ہیں۔ پھر یہ اخلاقی انحطاط معاشرہ کے چند شعبوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ پورے معاشہرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ جس کا نتیجہ کام چوری کساد بازاری۔ دھوکہ دہی اور ظلم وزیارتی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ انسانی معاشرہ ایک ایسی ملک بیماری کا شکار ہو جاتا ہے جس میں بظاہر تو ہر انسان خوش نظر آتا ہے مگر اخلاقی انحطاط اندر ہی اندر سے اس معاشرہ کو کمزور اور کھوکھلا کر دیتا ہے پھر ایسے معاشرہ میں سُستی، کاہلی، کم ہمتی اور بزدلی در آتی ہے اس کو سوچ محدود ہو جاتی ہے اور مطلقاً حیوانی زندگی اور اشرف الخلوقات کی باوقار زندگی کا فرق مٹ جاتا ہے۔ معاشرہ اپنے فرائض اور ذمہ داری بھول جاتا ہے۔ یا جان بوجھ کر ان کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

مندرجہ بالا نکات کو ذہن میں رکھ کہ جب ہم عصرِ حاضر کا جائزہ لیتے ہیں تو آج کا دور ہمیں بہت سے مسائل میں گھرا ہوا نظر آتا ہے۔ ان تمام مسائل میں سرفہرست درج ذیل مسائل ہیں: ا۔ اقتصادی عدمِ توازن ۲۔ طبقاتی کشمکش ۳۔ اور اخلاقی انحطاط۔

یہ مسائل خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ کہیں تو انسان انواع واقسام کے کھانے کھا کھا کر اکتا گیا ہے اور ڈاکٹروں نے اسے سادہ غذاہ کی فہرست دیکر تلقین کر دی ہے کہ اگر زندہ رہنا ہے تو کھانا کم اور سادہ کھائیں۔ اور کہیں انسانوں کی لمبی قطار میں اپنے پیٹ کی تپش مٹانے کے لئے ایک وقت کا کھانا بھی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا:

ایک طبقہ انسانوں کا مادی وسائل کے جدید ترین فوائد سے پوری طرح فیضیاب ہے اور دوسرے طبقہ کے پاس زندگی گزارنے کیلئے ضروریاتِ زندگی بھی دستیاب نہیں ہے۔ اسی کشمکش نے انسانی آبادی کہ کئی طبقوں تقسیم کر دیا ہے۔ اور یہ طبقات آپس میں بر سر پیکار ہیں جسکی وجہ سے انسانی خون کا تقدس پائمال ہو رہا ہے۔ طبقاتی چیلنج نے انسان کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔

عصرِ حاضر کا تیسرا بڑا مسئلہ اخلاقی انحطاط ہے:

پسماندہ ممالک تو ایک طرف رہے، خود ترقی یافتہ ممالک میں ادیب و مفکرین اپنے ممالک میں اخلاقی پستی کے متعلق فکر مند ہیں۔ آج انسانی برادری کرہ ارض پھر ہونے والے مظالم پر خاموش ہے۔ اپنے مخصوص مفادات کی خاطر اخلاقی جراءت کا مظاہرہ کرنے سے قاصر ہے۔

ان مسائل کو حل کرنے کے لئے مختلف ادوار میں جدا جدا رہنماؤں کے افکار و کردار کو اپنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن عصرِ حاضر کے مسائل جوں کے توں رہے۔ کیونکہ ان کے افکار کسی مخصوص وقت و علاقہ کے لئے تو کارگر ثابت ہو سکتے تھے لیکن عالمگیر انسانیت کے مسائل کا حل ان کے پاس نہیں تھا۔ آئے ہم دیانتداری سے دیکھیں کہ عصر حاضر کے مسائل کا حل کیونکر ممکن ہے اور یقیناً ممکن ہے۔ ایک ایسی شخصیت کے اتباع و اطاعت اور سیرتِ طیبہ میں جسکی زندگی تما انسانیت کیلئے نمونہ ہے اور آسمانی و حق کی آخری کتاب نے اعلان کیا کہ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۵) تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ رہنمائی وہی کر سکتا ہے جسے تمام انسانیت کی رہبری، ہدایت اور فلاح کے لئے بھیجا گیا ہے۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا(۶) اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

جس شخصیت کی تشریف آوری کو دنیا جہان کے لئے سراپا رحمت قرار دیا گیا ہے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (۷) اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ وہ ذات محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ہے نبی اکرم ﷺ نے عصر حاضر کے مسائل کا حل چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا بلکہ آپ نے عملی طور پر ان مسائل کے حل کے لئے ذاتی کوششیں فرمائیں اور ان کے حل کا نمونہ اپنی مبارک زندگی میں پیش فرمایا۔ آیئے ہم سرسری طور پر سیرتِ طیبہ میں رحمۃ اللہ علیہ عصرِ حاضر کے متعین کردہ مسائل کا جائزہ لیں۔

متوازن اقتصادی نظام:

اگرچہ ہر انسان کی صلاحیتیں یکساں نہیں ہیں اور حصولِ معیشت کے اعتبار سے سب کی حالت بھی برابر نہیں ہے کسی کو کھانے کمانے کے مواقع زیادہ میسّر آئے تو کسی کو کم۔ طاقتور نے کمزور کو مغلوب کردیا۔ پھر ذہن و جسم میں مقابلہ ہوا اور ذہنی قوت آگے نکل گئی۔ اسلام اس صورتِ حال کی مخالفت نہیں کرتا کیونکہ حیثیت و صلاحیت کے اعتبار سے تمام انسانوں کی حالت ایک جیسی نہیں ہے لیکن یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ حصولِ رزق کے اعتبار سے لوگوں کو یکساں مواقع نہ ہوں کسی کو ملے کسی کو نہ ملے وہ کہتا ہے کہ ہر انسان جو دنیا میں پیدا ہوا ہے دنیا کے رزق سے حصہ پانے کا یکساں حقدار ہے۔ شرع مصطفوی کا نظام نوعِ انسانی کو من منقسم قسم تسلیم نہیں کرتا بلکہ سب کو ایک ہی کنبہ، خلق خدا کے افراد قرار دیتا ہے۔ اس سلسلے میں شرعِ مصطفوی نے کسبِ معاش کے نظریہ کو نہ صرف عام کیا بلکہ نظامِ مصطفیٰ میں اُسے عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اس نے بتایا کہ اللہ رب العزت نے زمین کو انسان کے لئے مقدور بھر کوشش و کاوش کریں۔وَ لَا تَنۡسَ نَصِیۡبَکَ مِنَ الدُّنۡیَا(۸) دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھول۔ اللہ کی عبادت کے بعد دوسرا فرض حصولِ رزقِ حلال کو بتایا گیا ہے۔فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ ابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ (۹) کے اعتبار سے رزق کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔

سیرت طیبہ پر نظر کریں تو رسول اللہ ﷺ کا عملِ تجارت اس معاملے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ جوان ہوتے ہی آپ تجارت کے پیشے سے منسلک ہوگئے اور ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کئی انبیاء ایسے گزرے ہیں جو بکریاں چراتے تھے۔ صحابہ نے پوچھا کہ آپ نے بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے بھی اس پہاڑ پر اتنے معاوضے پر اپنی قوم کی بکریاں چرائی ہیں(۱۰)

حلال معیشت کا نظریہ:

نبی پاک ﷺ کے لائے ہوئے نظامِ اسلام نے حلال معیشت کا نظریہ دیا ہے حصول معیشت میں چور بازاری، ذخیرہ اندازوزی، دھوکہ دہی، مکرو فریب شامل ہوجائیں تو اس سے بعض افراد تو راتوں رات دولتمند بن جاتے ہیں لیکن پوار معاشرہ تنگی کا شکار ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ بازار میں سے گزرے۔ اجناس کے کسے خیرے میں ہاتھ ڈالا۔ اندر سے وہ جنس بھیگی

ہوئی تھی آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ مالک نے کہا بارش کی وجہ سے مال تر ہو گیا جس کو میں نے نیچے رکھ لیا تھا۔ یہ جواب سنکر آپ نے فرمایا مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا (۱۱) جس نے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ آپ نے حصول دولت کے تمام ناجائز ذرائع کا سدباب فرمایا۔ اس سلسلے سودی کاروبار سمیت ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو حرام قرار دیا، شرعِ مصطفوی نے انسانی معاشرہ کو ایک ایسے انقلاب سے روشناس کرایا جس میں ارتکازدولت کو چند ہاتھوں سے نکال کر تمام افراد کے استفادے کیلئے عام کر دیا۔ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (۱۲)

نظامِ زکوٰۃ کو نماز کے پہلو بہ پہلو جگہ دی اور معاشرہ کو باور کرایا کہ **من اغنیائھم و نذار علیٰ فقرائھم** (۱۳) یعنی تمہارے خوشحال لوگوں سے لے کر تمہارے ہی اپنے فقراء کو دی جائیگی ۔ پیغام محمدی کے ذریعہ معیشت میں عدمِ توازن کو نہ صرف کمانے کے ذریعہ ختم کیا گیا بلکہ ذہنی استعداد اور مختلف صلاحیتوں کی بنا پر کچھ افراد کے پاس اگر دولت جمع ہو جائے تو ان کی ذمہ داری قرار دی کہ وہ غریب، نادار اور مسکین کی خبر گیری کریں۔

سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ہمیں ایک ایسا متوازن، حکیمانہ، عادلانہ اقتصادی نظام ملتا ہے جس میں ہر طبقہ، ہر فرد اپنی جملہ صلاحیتوں کو بروئی کار لاسکے۔ اس کی معاشرتی ضرورتیں بھی پوری ہو جائیں اور اس کے اخلاق میں بھی کمزوری واقع نہ ہو۔

طبقاتی کشمکش کا استیصال:

سیرتِ طیبہ کی روشنی میں دنیا کو ایک ایسا نظام ملا جس میں طبقاتی کشمکش، گروہی مناقرت، رقابت کے جذبات کار فرمانہ ہوں۔ بلکہ ہر انسان دوسر انسان کا ممدو معاون مدگار، خدمت گاراور ایک دوسرے کا خیر خواہ بن کر زندگی گزارنے کو دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ سمجھے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **الدین النصیحۃ** (۱۴) کہ دین ایک دوسرے کی خیر خواہی کا نام ہے۔ آپ ﷺ نے جو نظام دیا اس نے حاکم، محکوم، کاشتکار و زمیندار مزدور اور مالدار کے مفادات کو آپس میں ٹکر ایا نہیں بلکہ انسانیت کی بنیاد پر تمام طبقات کے حقوق کی حفاظت کا سامان پیدا فرما کر اُنہیں آپس میں ایک جسد واحد کی طرح جوڑدیا اور انسانی محبت کو ایمان کیلئے معیار قرار دیا۔ آپ کا ارشاد ہے **لایو من احدکم حتی**

یحب لا خیہ ما یحب لنفسہ(۱۵) تم میں سے کوئی شخص بھی تب تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنی ذات کیلئے پسند کرتا ہے۔

انسانیت کے اتحاد کا نمونہ:

مکہ سے ہجرت فرماکر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو رسول ﷺ نے مدینہ کی مختلف آبادیوں میں باہمی اشتراک و تعاون کیلئے ایک معاہدہ فرمایا کہ تمام انسانی برادری بلا تفریق مذہب وملت اطمینان و سکون کے ساتھ رہ سکے اور معاشرتی و احبات احسن طریقے سے ادا کرسکے۔ مذکورہ معاہدہ تاریخ انسانیت ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح مدنیہ میں مکی اور مدنی کے مابین تاریخی مواخات کا رشتہ جوڑکر انہیں حقیقی اخوت و محبت میں بدل دیا۔

صلح حدبیہ کا معاہدہ بھی آپ نے انسانی اتحاد و صلح، امن وسلامتی کی خاطر فرمایا۔ اگرچہ آپ نے کچھ سخت شرائط بھی قبول فرمالیں مگر آپ کو امن و سلامتی، انسانی یک رنگی و یکجہتی سے محبت تھی اور آپ ﷺ نے اسی کو ترجیح دی۔ عصرِ حاضر کو درپیش طبقاتی کشمکش کا خاتمہ اور انسانیت کے اتحاد و امن کے لئے ہمیں سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کرنی ہوگی۔

اخلاقی بلندی:

عصرِ حاضر کا ایک اہم مسئلہ اخلاقی انحطاط ہے۔ اخلاقی انحطاط کی وجہ سے نہ صرف فرد بلکہ تمام انسانیت کی معاشرت تباہ ہوجاتی ہے وعدہ خلافی، خیانت، بدویانتی، حرص و طمع، بخل، چوری، بغض رکینہ، فخرو غرور، رشوت، سود خواری، شراب نوشی، دھوکہ اور فریب عام ہوجاتاہے۔ موجودہ دور میں اخلاقی انحطاط کی وجہ سے یہ تمام بیماریاں عام ہیں اور اب ان بیماریوں کا علاج صرف بلند اخلاقی سے ہی ممکن ہے کیونکہ اخلاق درست ہوں گے تو افراد اور جماعتوں میں میل جول بڑھے گا ان میں محبت اور ہمدردی کو فروغ حاصل ہوگا۔ ایک دوسرے کے دکھ درو، نفع و نقصان کا احساس پیدا ہوگا۔ اور ہر قلب میں احترام آدمیت کو صحیح مقام مل جائے گا۔ اخلاقی بلندی کا درس ہمیں سیرت طیبہ سے ملتا ہے کیونکہ آپ کے بلند اخلاق کو قرآن نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (۱۶) کہہ آپ کی بلندی اخلاق کا اعلانی فرمایاہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ انما بعثت لاتمم مکارم الا خلاق (۱۷) میں اس لئے بھیجا گیاہوں کہ اخلاق حسنہ کو مکمل کروں ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا خدا کی قسم وہ

ایمان نہیں لایا خدا کی قسم وہ ایمان نہیں لایا عرض کیا گیا کون یارسول اللہ ﷺ؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی برائیوں سے امن مین نہ ہو(۱۸) حضور کے ان ارشاد پر غور کریں اور دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انسانیت کو کس راستہ پر چلنے کی دعوت دی۔ آپ کی سیرت طیبہ ہی امن عالم اور فلاح انسانیت کی ضامن ہے۔

اخلاقیات کے سلسلے میں سیرت طیبہ سے ہمیں بڑی طویل فہرست ملتی ہے۔ لیکن تمام اوامر و نواہی کا تعلق تین چیز وں سے ہے، جان،مال اور عزت آبرو اگریہ تینوں چیزیں محفوظ ہیں تو سمجھ لیں کہ انسانیت محفوظ ہے رسول اللہ ﷺ نے حج کے دن، حج کے مہینے اور مکہ، مکرمہ کی حرمت کی طرح انسانی جان، مال اور آبرو کی عزت و حرمت کی تاکید فرمائی۔ یہی چیزیں فطرتاً ہر انسان کو عزیز ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہ عصرِ حاضر کو آج اخلاقی انحطاط کا چیلنج درپیش ہے اور اس چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سیرت کو اپنانا ہوگا۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ؎ | کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید

مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوگئی ہے کہ رحمۃ اللہ علیہ عصرِ حاضر کے مسائل کا حل صرف سیرت طیبہ کی روشنی میں ملے گا لیکن ذہن و زبان پر بلند خیالات کے ساتھ ساتھ فعالیت و عملیت کا حقیقی مظاہرہ ہی ہمیں اس نعمت سے فیضیاب کرے گا۔

حواشی

۱۔ الفجر۔ آیت نمبر۲۰۔

۲۔ البلد آیت نمبر ۱۱۔

۳۔ البلد۔ آیت نمبر۱۵،۱۴،۱۳۔

۴۔ العدیات آیت نمبر ۸۔

۵۔ البقرہ آیت نمبر ۱۷۷۔

۶۔الاحزاب، آیت نمبر ۲۱۔

۷۔ الاعراف، آیت نمبر ۱۵۸۔

۸۔ الانبیاء ، آیت نمبر ۱۰۷۔

۹۔ القصص ، آیت نمبر ۷۷۔

۱۰۔ الجمعہ، آیت نمبر ۱۰۔

۱۱۔ صحیح بخاری، ریاض الصالحین ص۳۲۰۔

۱۲۔ صحیح مسلم،ج ۱۔

۱۳۔ الحشر ،آیت نمبر ۷۔

۱۴۔ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ۔

۱۵۔ صحیح مسلم کتاب لایمان۔

۱۶۔ صحیح بخاری کتاب لایمان۔

۱۷۔اقلم، آیت نمبر۴۔

۱۸۔ موطا امام مالک۔

Teacher & Student Relationship In the light of Seerat e Rasool ﷺ

Dr. Saqib Muhammad Khan

Abstract:

The most significant aspect of teaching is the relationship that the teacher has with the students. This relationship has fundamental importance in the entire learning process. If the relationship of a teacher with his student is of fairly respect and care, the students learn much more. It is said, *If you want to receive love, you must first be prepared to give it.*

ALLAH is pleased with those who respect and follow the Holy Prophet ﷺ in every move. This article will help us to lift the cloak draped around the inspiring facet of the Holy Prophet's life so that we all can see the compassion, gentleness and justice exhibited in his interactions with his students (companions). If we were aware of these jewels of wisdom and practiced them in our everyday teaching, so many of our problems would be addressed automatically. Naturally our classrooms would be filled with peace, and we will be able to bring forth a generation that returns to the *Ummah* its exemplary, unprecedented and the glorious past. In Sha ALLAH

Important!

In general, the word 'Teacher' represents a paid employee who teaches for specific timings in an institution.

In return, he is given a worldly gain in the form of fee or salary. The dictionary also defines the word 'Teacher' as, *"Someone whose job is to teach in a school or college."*[i] *"A person whose job is teaching, especially in a school."*[ii] However, when the title 'Teacher' is used for the dignified and charismatic personality the Holy Prophet ﷺ or any other Prophet علیہ السلام, it soulfully means the one who sincerely guides and teaches without any material interest.

The Holy Qur'an categorically presents the declaration the Prophets.

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾[iii]

Translation: "And I do not ask you any fee for it; my reward is only from the Lord Of The Creation." [iv]

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾[v]

Translation: "Proclaim, "I do not ask any fee from you for this, except that whoever wills may take the way to his Lord."[vi]

The above verses categorically state that the prophets were neither looking for any worldly gain nor seeking any wage in return for guiding and teaching the nation. They seek only ALLAH's reward and pleasure. A Prophet never entertains any thought of making a material gain or profit. He receives only one reward that is nothing other than the fact that someone receives ALLAH's guidance. When a Prophet sees someone accepting divine guidance and seeking to earn ALLAH's pleasure, then his compassionate heart finds comfort, and his noble conscience is set at ease.[vii] Throughout this book, the word 'Teacher' signifies the same for the Holy Prophet ﷺ.

A glimpse at the Present educational scenario…

(On Teacher and Student relationship)

In general, it is seen that a teacher fulfills his 'duty' merely and focuses mainly on coverage of the syllabus and

smooth flow of the class. The enduring relationship between a teacher with his student that was the pride of the students is nonexistent at present. Therefore, we see the true spirit of education is lost. The situation in our educational institutions is very pathetic and disappointing. Today a student considers his teacher as a paid employee appointed to transfer required information for their examination and prepare them accordingly. They are not impressed by them rather they tend to impress them with their flaunt statements about their luxuries, description of their extravagancies or their association with the socially influential. Nowadays, students do not refrain from arguing with their teachers. They often get loud with them and even abuse them at times when the teachers try to stop them from an undisciplined act.

Threatening teachers is now common practice extending to verbal and physical abuse. Students frequently complain about their teachers with self-created unsubstantial charges to their authority. They shout, chant slogans, smoke, even use obscene language in front of their teachers. They assess the teacher as per the proportion of their academic result or luxuries they have.

No remedial measure seems efficient and practical at present. Nevertheless, a Holy Book offers supreme and comprehensive guidance for the entire humanity. Yes, the Holy Qur'an describes itself as mercy, guidance and remedy for the believers. Of course, the antidote to this embarrassing condition of teacher and students also lies in complying the commandments of the Holy Qur'an. The Holy Quran does not only hold knowledge of everything, but it is also a comprehensive guide for the humanity.

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ [viii]

Translation: "And We have sent down this Book to you explaining clearly everything and as guidance and mercy and as glad tidings for the Muslims."[ix]

Let's ask the Holy Qur'an for remedial measures. Whom should we hold and follow as a mentor and guide for

developing an efficient and respectable relationship between teacher and students? To answer our call, the Holy Quran presents the life of the Last Prophet Muhammad ﷺ as a model of excellence.

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ○ [x]

Translation: "Certainly you have an excellent example in the following of the Messenger of ALLAH, for him who hopes in ALLAH and the Last Day, and (who) remembers ALLAH in abundance."[xi]

The Holy Prophet ﷺ is described here as a model of excellence for all believers. He is a great example for all worldly and religious facets of our life. Since the Holy Prophet ﷺ is a model for humanity, his multi-faceted personality has been discussed in the Holy Quran explicitly. The Holy Quran has highlighted various aspects of the Holy Prophet's ﷺ personality, but specifically, he is introduced in the verses of the Holy Quran as a teacher, and his person has been described particularly as an instructor.

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ[xii]

Translation: "Just as We have sent among you a Rasool (Messenger) from yourselves, who recites to you Our verses and purifies you and teaches you the Book and wisdom and teaches you that which you knew not."[xiii]

This verse reveals that the dissemination of knowledge is the foremost duty of Holy Prophet ﷺ. Hence, his most important purpose was to spread the illumination of knowledge.

The Holy Prophet ﷺ imbibed the spirit of this verse. In pursuit of his prophetic duty, he engaged himself in imparting knowledge throughout his lifetime and left an excellent example of excellence for teachers to observe and follow.

The Holy Prophet ﷺ is a Teacher:

The Holy Prophet ﷺ desired to title himself as a teacher and stated that the purpose of his prophethood was to officiate as a teacher.

وَاِنَّمَا بُعِثتُ مُعَلِّماًxiv

"And I too have been sent as a teacher."

Before discussing specifically various aspects of guidance regarding teacher and student relationship, let's look at one example from Seerat e Rasool ﷺ. Biographical and Hadith literature reveals that the Holy Prophet ﷺ adopted a different manner in dealing with a Bedouin, town-dweller, an educated person, the illiterate and other men of different grades of understanding and experience. Not only this, he used to illustrate his precepts with excellent examples and instances drawn from observations of everyday life.

It is reported from Umama Bahili that a Qurashite youth came to the Holy Prophet ﷺ and said: *'Please permit me to commit fornication.'* Everyone leaped on him, rebuked him and censured his talk. The Holy Prophet ﷺ asked him to come closer. When he got nearer, the Holy Prophet ﷺ said: ***"Would you like it (unlawful intercourse) for your mother?"*** He said: *'May ALLAH sacrifice me for you, By ALLAH, no*.' The Holy Prophet ﷺ observed: The other people also do not like it for their mothers. The Holy Prophet ﷺ asked: ***"Would you like it for your daughter?"*** He said: *'By ALLAH! No. May I be sacrificed for you.'* The Holy Prophet ﷺ observed: The other people also dislike it for their daughters. The Holy Prophet ﷺ mentioned his sister, paternal aunt and the maternal aunt and each time he repeated the same answer. The Holy Prophet ﷺ placed his hand upon him and prayed: ***"O ALLAH! Pardon his sin purify his heart and protect his genitals (from sin)!"*** The narrator reports that after that this young man never desired any unlawful act.[xv]

This example exhibits the value that the Holy Prophet ﷺ attached to the learner's psychology and mental level. Such is the hallmark of a good teacher through which he can develop a loving and a productive relationship with his pupils. The above Hadith outlines the following precepts:

a) A teacher should have complete control of self. i.e. he should not lose temper and express anger abruptly at the absurd and silly attitude of a student. *(This marks the beginning of a good relationship with pupils.)*

b) A teacher should value each student. He should give more attention should to the rude and misbehaving one.

c) The teaching methodology should be in accordance with the psychology of the learner. i.e. the teacher should assess the psyche of the student and teach in the easiest possible and logical manner.

d) A teacher should always seek the help of Almighty ALLAH and pray for the improvement of his student, especially for the clumsy pupils.

This is a single ray of light from the shining teaching experience of the Holy Prophet ﷺ. The following pages incorporate some aspects of the prophetic guidance on the good relationship between teacher and students.

Personality: *The first step towards positive relationship with students*

The Holy Prophet Muhammad ﷺ was, in his youth, a combination of the best social attributes. He was an exemplary man of weighty mind and accurate insight. He was favoured with intelligence, originality of thought and perfect choice of the means leading to concrete goals. His brilliant mind and pure nature were helpfully instrumental in absorbing and comprehending ways of life and people, individual and society.

The authorities agree in ascribing to the youth of Muhammad ﷺ, the modesty of deportment, virtuous behavior and graceful manners. He proved himself to be the ideal of manhood, and to possess a spotless character. He was the most obliging to his compatriots, the most honest in his talk and the mildest in temper. He was the most gentle-

hearted, chaste, and hospitable and always impressed people by his piety inspiring countenance. He was the most truthful and the best to keep covenant. His fellow-citizens, by mutual consent, granted him the title of Al-'Ameen (trustworthy).

The Mother of Believers, Khadijah رضی اللہ عنہا, once said:

"He (The Holy Prophet صلی اللہ علیہ وسلم) unites uterine relations, he helps the poor and the needy, he entertains the guests and endures hardships in the path of truthfulness." [xvi]

This brief sketch of his personality before the announcement of the Prophethood reveals his charismatic character, which was the founding stone in his mission. On the declaration of prophethood when he was asked about any document of -his being a Prophet, he presented his character as an authentic, undeniable proof of his prophethood.

It was his personality that compelled people to believe that a man who never spoke a lie in his life must have some reality in his claim. In other words, before starting his preaching (teaching), he developed his personality to the highest degree of excellence.

This attitude of the Holy Prophet صلی اللہ علیہ وسلم guides that a teacher should be greatly concerned about his person, he should consistently take care of his self-dignity and should avoid all such acts, which might hurt his self-respect or damage his personality. A teacher is a role model for his students. Therefore, students are highly inspired by their teacher. They observe him very keenly and get inspiration. So, if a teacher, although, with sound knowledge of his subject, does not possess an impressive and decent personality, does not fulfill his promises to students, often lies in front of students, remains careless from his outlook and dressing, can never earn real respect and obedience from his pupils. Students will not value his words and will not pay attention to his lessons. Thus, the first step towards a positive and dynamic relationship with a teacher with his students is the development of personality. For this, teachers

must go through and follow the lifestyle of the Holy Prophet ﷺ to acquire excellence in character.

Subject Knowledge: - *The principal requisite*

Our Holy Prophet ﷺ strictly forbade teaching without proper research and knowledge. It is reported that the Holy Prophet ﷺ said,

"It is not legitimate for a person to talk about a matter what he knows not." [xvii]

A teacher is assigned responsibility to teach a certain subject with certain capacities. If deliberately he does not fulfill his obligation and does not teach properly or he does not deliver the required knowledge of the subject, he exploits his responsibility that, in Islamic terminology, is called '*Khiyanat*'. The Holy Prophet ﷺ termed '*Khiyanat*' as a sign of a hypocrite. Severe punishment of the hereafter is mentioned in Ahadith for a '*Kha'in*' (one who does '*Khiyanat*').

Apart from this religious condemnation, this attitude of a teacher drops frail impression on the students. Therefore, when students do not learn from the teacher, they do not accept him as a teacher. Thus, they misbehave and disturb the class and justify themselves with the ignorance of their teacher.

Consequently, for constructing a strong and positive relationship with students, Seerat-e-Rasool ﷺ with evident proof guides us that a teacher must get hold of sound knowledge of the subject he is teaching. He should simply refuse to teach a subject that he feels he cannot justify.

Kindness & Affection: *Treat your students as your offspring!*

According to a Hadith, a teacher holds the status of a spiritual father for his pupils. Therefore, he should treat his students affectionately, similarly as he shows kindness to his offspring. The Holy Prophet ﷺ said,

"Verily I am to you as a father is to his child. I am teaching you:" [xviii]

Kindness and affection were very much evident in the Holy Prophet's ﷺ conduct with his companions (students). He related kindness with the teaching profession.

Ibn 'Abbas ﷺ reports from the Holy Prophet ﷺ that he said:

"Teach and make it easy, not difficult and when someone is angry, he (i.e. the teacher) should observe silence." [xix]

The Holy Prophet ﷺ believed in making things easier rather than difficult for the people. If anyone felt guilty of error, the Prophet ﷺ would try to correct the mistake in an affectionate manner. A study of his character and sayings reveal his insight into the tolerant and loving behavior of the people. It establishes the principle that in all matters, the easy and friendly course should be adopted.

> *Abu Hurayrah ﷺ narrates that a villager came into the mosque and performed two 'Rak'aah' of the prayer. Then he said, "O **ALLAH**, be kind to me and Muhammad ﷺ and none other besides the two of us." The Holy Prophet ﷺ took notice of his prayer and observed: **"You have narrowed down a huge thing."** Unable to restrain himself the villager urinated in the mosque. The people rushed at him, after that the Holy Prophet ﷺ said: **"You have been raised to make thing easy, not difficult. Pour a bucket of water over it."*** [xx]

An average teacher would have raised a storm over this incident, but we must observe how compassionately the Holy Prophet ﷺ dealt with the matter. The attitude of a contemporary teacher is an absolute contrast to this behavior. Unfortunately, some teachers with their haughtiness and narrow-mindedness have turned schools, colleges and universities into the dreadful places where students shudder to go for fear of facing these fastidious men. However, the conduct of the Holy Prophet ﷺ was opposite to it. Hazrat Ayesha ﷺ has reported:

> *"Never was the Holy Prophet ﷺ given a choice of two courses, but he adopted the easy one provided that it was not sinful. If it were sinful, no one would be farther removed from it than he. The Holy Prophet ﷺ never took revenge on anyone*

for personal injury, but when ALLAH's sacredness was violated, he took revenge for ALLAH's sake." [xxi]

This affection of a teacher will certainly breed a sense of sincere respect and love from students and more attention in the class. Thus, a long-lasting respectful relationship will flourish (in Sha ALLAH).

Attending upon the Student:

The Sunnah of the Holy Prophet ﷺ is to visit sick people and express sympathetic grief with encouraging words for their quick revival. In the context of the relationship of a teacher with his students, abiding by this Sunnah will not only please the student but also oblige him to obey and respect the teacher later on for good.

> *Hazrat Anas* رضی اللہ عنہ *reports that there was a young Jew boy who used to serve the Holy Prophet* ﷺ*, when he fell ill, the Holy Prophet* ﷺ *went to attend upon him. Sitting near his head the Holy Prophet* ﷺ *said,* ***"Accept Islam,"*** *he looked towards his father who was sitting near him. The father said, accept the words of AbulQasim* ﷺ*. Hence, he embraced Islam. When Holy Prophet* ﷺ *came out, he was saying that "****Praise be to ALLAH, Who secured him from the Hell-fire.****"* [xxii]

This Hadith brings out very clearly that being a teacher if someone attends upon his student, this act of kindness will produce positive results. Naturally, this attitude of the teacher should not be limited to the illness of the students, besides; the teacher should be a reliable helping hand for his student when he faces any financial, emotional, academic or social problem. The Seerah of the Holy Prophet ﷺ directs that the behavior of a teacher ought to be such that his student feels no hesitation sharing his problem with him. Also, the student should also be confident enough that his teacher would certainly find a solution.

Equal Treatment:

Another aspect of the Holy Prophet's ﷺ Sunnah on the relationship of a teacher with his students is the uniform

and equal treatment with everyone. This should never happen in the class that only a few particular students are favored and given more 'affection'. In this way, rest of the students feel insecure, which frustrates their capabilities and interest of study.

Similarly, this should not happen too that only one particular student is targeted by severe criticism and harsh treatment to the extent that he feels like abandoning school. Moreover, a teacher should not favor any student on the basis of his wealth, the number of gifts, praises he offers or if he has links with higher authorities or his friend. There should be equal treatment for everyone without any distinction. The practice of the Holy Prophet ﷺ is an illustrious guide for all teachers on their treatment with their students. Companions report that,

> *"The affection of the Holy Prophet ﷺ with us was such (uniform) that each of us used to feel that he loves him the most."*

Dealing with misbehavior of the Students

Justice & Kindness should be balanced!

The Holy Prophet ﷺ said,

> *"Indeed ALLAH is Kind, HE likes kindness and bestows on kindness that which HE does not in hardship."* [xxiii]

Hazrat Abu Mas'ud Badree رضی اللہ عنہ says,

> *"I was whipping my slave when I heard someone saying **"Abu Mas'ud beware…"**, Due to anger I could not recognize the voice, but when the speaker came near to me, I realized that it was the Holy Prophet ﷺ. He said, **"Abu Mas'ud beware, Abu Mas'ud beware,"** I stopped whipping, and then the Holy Prophet ﷺ said, **"Abu Mas'ud beware of the reality that Almighty ALLAH has more control and authority over you than you have over this slave."** Hazrat Abu Mas'ud رضی اللہ عنہ says that after this*

incident, I promised myself that I would never hit any slave." xxiv

Hazrat Ayesha ؓ reports,

*"The Holy Prophet ﷺ never took revenge for his sake but only when limits of **ALLAH** were exploited, he took revenge."* xxv

Hazrat Huzaifa ؓ reports that Holy Prophet ﷺ said,

"You should not behave in accordance with the attitude of the people that you begin saying: If people behave nicely, we will behave well, and if people are oppressive then we will also act aggressively. Rather you should convince yourself that if people treat you well we would also serve well and if they persecute, even then we will not oppress them." xxvi

Holy Prophet ﷺ said,

"…No one should hit in the face." xxvii

Analysis of the above quoted Ahadith on the relationship between teacher and student reveals the Islamic concept of dealing with misbehaviors of the pupils. The best pattern is dealing with kindness and politeness. Aggression is not appreciated in our religion. However, for some reason when it becomes legitimate to punish a student then the teacher should look into the core reason. If it is for his self-satisfaction (and not related to his moral development and academic betterment), he should stop punishing at once and deal with an obliging attitude as it is advised in the hadith. However, it is a well-known fact that sometimes all efforts fail, and the teacher feels indispensable to punish a child for their improvement. In this condition, the Holy Prophet ﷺ guides that the teacher should verbally guide first, if it does not work then punish him but that punishment should not be so harsh that student feels psychological distress *(i.e. he should not hit the face or any sensitive part of the body and not more than three times)*. This would leave a negative impact on his academic career. Holy Prophet ﷺ has described this pattern of dealing disobedience about obligatory prayer. He

says that a child must be instructed for the performance of prayers when he becomes seven years old and if he does not offer prayer till the age of ten years then punish him. However, the punishment should be parallel to the level of disobedience. There ought to be justice in crime and punishment. Otherwise, this will become oppression on part of the teacher.

The Sunnah of the Holy Prophet ﷺ, on the relationship between a teacher and his student

The Sunnah of the Holy Prophet ﷺ, on the relationship between a teacher and the students, teaches that:

1) A teacher should appreciate the achievements of the pupils.
2) A teacher should always incite his students for acquiring knowledge.
3) A teacher should give respect and value to each of his pupils.
4) A teacher should not ask for any service for himself.
5) A teacher should not backbite other teachers in front of students. If students say something negative about any teacher, he should discourage them.
6) A teacher should respect his seniors in front of his students so that they observe and learn to respect.
7) A teacher should never get any obligation from the student. He should be indifferent towards luxuries or any possible 'benefit' from the pupils.
8) A teacher should not intervene personal domestic matters of the students. (if he is asked for any suggestion, then only suggestion should be made with complete responsibility)
9) A teacher should always adopt a polite way of teaching.

10) A teacher should always make an effort for grooming of mind not only for the coverage of the syllabus.

As a teacher, the chief virtues are courtesy and humility. As the final Prophet ﷺ, as the interlocutor of His message and as the most knowledgeable person of the essence and true nature of things, he could easily have been proud and haughty, yet not an iota of these sentiments could be found in the Holy Prophet ﷺ. The companions held him dearer than their lives; the people venerated his high character, yet this teacher of goodness never forsook courtesy, humility, and politeness. For entire humankind, he was like a courteous brother, a tender-hearted teacher, even a kind and affectionate father. Whenever he addressed the companions or instructed them in the etiquettes of life, he did so in such a light, and courteous manner that it captivated their hearts, and their senses felt no strain at all. He never aspired to the position of deity.

Humility and courtesy are the ornaments of the personality of a teacher. These qualities are the foundations of character-building. No arrogant teacher ever achieved good results. The much-vaunted phrase "Mutual understanding" and "close contact" between the teacher and the taught, if they mean anything, it is this that teacher should possess a dynamic personality, and the learners should benefit from close contact with the teacher. In the ultimate analysis, it is the teacher's personality that is responsible for whatever is good or ill in the educational process. Today the teacher's personality is no longer a source of enlightenment. Otherwise, he would never have complained of the insolent and rude behavior of the student towards him.

References:

[i] Cambridge Advanced Learner's Dictionary, Third Edition, CD Version
[ii] Oxford Advanced Learner's Dictionary, New 8th Edition, Oxford University Press, UK 2010, Pg. 1587
[iii] Holy Qur'an: Surah Ash-Shu'araa 26:109
[iv] Aqib Farid, 'The Treasure of Faith', Tayyab Group of Industries, Faisalabad, Pakistan 2013, pg. 416
[v] Holy Qur'an: Surah Al-Furqaan 25:57
[vi] Aqib Farid, 'The Treasure of Faith', Tayyab Group of Industries, Faisalabad, Pakistan 2013, pg. 405
[vii]Sayyid Qutb, 'Fi Zilalil-Quran', English Translated version, 'In the Shade of Quran' by Adil Silahi, Volume: XII, Islamic Foundation, UK, 2003, pg. 336
[viii] Holy Qur'an: Surah Nahl: 16: 89
[ix] Aqib Farid, 'The Treasure of Faith', Tayyab Group of Industries, Faisalabad, Pakistan 2013, pg. 297, 298
[x] Holy Qur'an: Surah Ahzab: 33:21
[xi] Aqib Farid, 'The Treasure of Faith', Tayyab Group of Industries, Faisalabad, Pakistan 2013, pg. 475
[xii] Holy Qur'an: Surah Al-Baqarah: 2:151
[xiii] Aqib Farid, 'The Treasure of Faith', Tayyab Group of Industries, Faisalabad, Pakistan 2013, pg. 24, 25
[xiv] Ibn Majah: 1/83
[xv] Al-Zawa'id, 1/29
[xvi] Bukhari 1/3
[xvii] Bukhari 4/316
[xviii] Ibn Majah
[xix] Musnad Ahmad, 4/191; 5/150; Al-Zawa'id, 1/131
[xx] Musnad Ahmad, 12/244, 209
[xxi] Bukhari, 4/166-167; Muslim, 7/80
[xxii] Bukhari
[xxiii] Abu Daud 4/4807, Masnad Ahmed 1/112
[xxiv] Muslim, AbuDa'ud
[xxv] Bukhari, Muslim, AbuDa'ud
[xxvi] Tirmizi
[xxvii] Masnad Ahmed

This Journal has been indexed in following international Agencies (1)Journal Index (2) Directory of Research journal Indexing (3)Directory of abstract and Indexing for Journal (4) Cosmos Impact factor

محترم مقالہ نگاران سے گذارشات

(۱)۔ مقالات سیرت طیبہ کی مختلف جہتوں کے حامل ہوں۔

(۲)۔ مقالے کا اسلوب نگارش تحقیقی ہو۔

(۳)۔ ملکی اور بین الاقوامی مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔

(۴)۔ مقالہ عملی اور اطلاقی پہلو کا حامل ہو۔

(۵)۔ مقالات اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں تحریر کیے جاسکتے ہیں۔

(۶)۔ مقالات A4 سائز پر ''ایم ایس ورڈ'' پر کمپوز کرا کے ای میل کے ذریعے ارسال کیے جائیں۔

(۷)۔ مقالے کے ساتھ انگریزی زبان میں اس کی تلخیص ضرور شامل کی جائے۔

(۸)۔ وہی مقالات شاملِ اشاعت ہوں گے جن کی پروف ریڈنگ کرائی گئی ہو۔

(۹)۔ حوالہ، حواشی اور کتابیات مروجہ معیاری طریقہ پر تحریر کی جائیں۔

(۱۰)۔ مقالے کی اشاعت کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا جائے۔

(۱۱)۔ کسی بھی مقالے کی اشاعت کے لیے ادارے کی طرف سے نامزد کردہ ماہرین کی تائید ضروری ہے۔

(۱۲) ناقابل اشاعت مقالات واپس ارسال نہیں کیے جائیں گے۔

(۱۳)۔ اشاعت کی صورت میں مقالہ نگار کو مجلے کے دو اعزازی نسخے روانہ کیے جائیں گے۔

(۱۴) سیرت پر مشتمل کتب پر تبصرے کے لیے ادارے کو کتاب کے دو نسخے ارسال کیے جائیں۔

نوٹ: شائع شدہ مقالات کے صحتِ متن اور حوالہ جات کی ذمے داری مقالے نگار پر عائد ہوتی ہے۔ مقالہ نگار کی رائے سے مجلس ادارت کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

SHAHID RESEARCH JOURNAL

Volume # 1, Issue No . 2 Jul to Dec 2015 INTL

Blind Peer Reviewed Bi-annual Journal

Shahid Research Foundation Pakistan
E-mail: shahid322@gmail.com